ISSN 0974-7346

فروری ۲۰۲۴ء

جلد ۲۱۱ — عدد ۲

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY,

AZAMGARH

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں	:	سالانہ ۳۵۰/روپے۔ فی شمارہ ۳۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۵۵۴/روپے
		ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۵۰۰/روپے میں دستیاب ہے۔
		ہندوستان میں لائف ممبرشپ ۱۰۰۰۰/روپے ہے۔
دیگر ممالک میں	:	سادہ ڈاک ۱۷۳۰/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰/روپے

اشتراک پی ڈی ایف بذریعہ ای میل (ساری دنیا میں) ۳۵۰/روپے سالانہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ بند ہے۔

اس لئے فی الحال پاکستان معارف کی ترسیل موقوف ہے۔

سالانہ چندہ کی رقم بینک ٹرانسفر، منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔

بینک ٹرانسفر کر کے ہم کو ضرور اطلاع دیں۔ بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات یہ ہیں:

Account Name: DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC : PUNB0476100

بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

(Ma'arif Section) 06386324437

Email: info@shibliacademy.org website: www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (ڈپٹی ڈائرکٹر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۱۱ ماہ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ مطابق ماہ فروری ۲۰۲۴ء عدد ۲

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

پچھلے مہینہ (جنوری) کی بائیس تاریخ کو اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر کا جشن منایا گیا، تعمیر کی خبریں تو عرصہ دراز سے ذرائع اطلاعات کی غلام گردشوں میں کہانیوں کی مانند ادھر سے ادھر پھیلتی اور پھیلائی جارہی تھیں، اس میں صنم تراشی کے فن اور تعمیر پر غیر معمولی خرچ اور حکومت کی جانب سے ہر ممکن تعاون وغیرہ کے ساتھ مالی بدعنوانی اور غبن کا بھی ذکر ہوتا رہتا تھا، وقت کے ساتھ مذہبی جذبات میں شدت اور مستقبل میں اجودھیا کی معاشی ترقی کی دھن بھی تیز تر ہوتی گئی۔ البتہ جس پارٹی اور تنظیم کے لیے سب کچھ کیا جارہا تھا اس کی راہ میں ایک مشکل ذرا بڑی یہ آگئی کہ ہندو دھرم کے چار اقانیم یعنی چاروں شنکر آچاریہ نے بعض معاملات میں اپنا اختلاف ظاہر کیا، ہزار کوششوں کے بعد بھی رام مندر میں اور رام جی کی نئی تراشیدہ مورتی میں جان ڈالنے کے لیے ان چاروں کو رام نہیں کیا جاسکا۔ ہندو یا سناتن دھرم سے تعلق رکھنے والے گو مندر کی تعمیر سے مطمئن نظر آرہے تھے لیکن اس عمل میں مذہب سے زیادہ انتہا پسند سیاست کے رنگ وروغن سے خوش نہیں تھے اور حد تو یہ ہے کہ ایک نہایت سخت گیر ہندو تنظیم نے تو یہ تک کہہ دیا کہ مندر کے ستون پتھر کے نہیں مصنوعی مسالوں کے لگائے گئے ہیں جیسا کہ اجین کے مہا کال مندر میں یہی عمل کیا گیا تھا۔ لیکن ایک طبقہ برادران وطن میں وہ بھی تھا جو ملک کے مستقبل کے خدشات کو لے کر سنجیدہ تھا اور لرزیدہ بھی۔

ان اطلاعات میں کچھ باتیں عبرت کی بھی تھیں، یعنی ۱۹۹۲ء میں جب مسجد زمیں بوس ہورہی تھی تو کچھ لوگ محراب ومنبر کو خاک میں ملتے دیکھ کر اپنی آنکھوں میں متوقع اقتدار کی جھلکیاں دیکھ رہے تھے، قوت وحاکمیت کے نشہ میں اس وقت وہ حالت رقص میں تھے، مسجد کے ملبہ میں ان کو ایوان اقتدار کا دیوان خاص دکھائی دے رہا تھا، لیکن مکر وفریب اور جھوٹ اور سازش کی اپنی لگائی آگ میں وہ ایسا جھلسے کہ ان کے چہرے ہی حسرت وعبرت کا نمونہ بن گئے، خدا جانے ایسے کشتگان سیاستِ وقت پر کیا گزری ہوگی، جب ان ہی کے ساختہ پرداختہ اور آستینوں میں جگہ بنائے ہوئے ان ہی کے سامنے اوتار اور بھگوان کی صورت میں سامنے آئے، اور کبھی گرو جی کی مسند پر بیٹھنے والے اب صرف بے طلب

آشیرواد دینے والے بن کر رہ گئے۔قدرت کے انتظام یا انتقام کو کون سمجھ سکتا ہے۔

بابری مسجد کی تخریب اور اس کی جگہ مندر کی تعمیر کی داستان محض ایک واقعہ کا بیان نہیں، یہ سراپا درد ہے اور یہ صدیوں منت کش تاب شنیدن رہے گی۔حق کے اظہار نو کے لیے باطل کا وجود وقتی ہی سہی سمجھ میں آنے والا ہے، تاریخی حقائق کو مسخ کیا جانا، باطل مفروضوں کو فروغ دیا جانا، اپنے ظلم کے جواز کے لیے مظلوم کو ظالم باور کرانا، تاریخ کی کسی کہانی کے لیے نئی بات نہیں، لیکن جس طرح بائیس تاریخ کو تکبرانہ نخوت کے نشہ میں جملوں اور لفظوں کی آتش بازی کی گئی وہ تاریخ کی تجزیاتی بھٹی میں تپائی ضرور جائے گی۔الفاظ فضا میں پھیل رہے تھے کہ آج وہ لمحہ زندہ ہوگیا جس کا انتظار پانسو سال سے تھا۔اس لمحہ کو جملے والوں نے کئی نئے جملوں کے حوالے کردیا، کہا گیا کہ صدیوں کے صبر وتحمل، بے شمار قربانیوں، ریاضتوں، تیاگ اور تپسیاؤں کے بعد وقت کی نئی گردش کا آغاز ہوا ہے، اب جو بیداری آئی ہے اس کی توسیع رام سے راشٹر تک، دیو سے دیش تک ہونی ہے۔اب ایک ہزار سال کے لیے بھارت کی نئی بنیاد رکھی جانی ہے، آیئے اور محسوس کریے کہ رام آگ نہیں، رام توانائی ہیں، رام تنازعہ نہیں، رام توحل ہیں، رام حال نہیں، رام لا متناہی ہیں، یہ فتح کا نہیں وِنئے (دعا) کا موقع ہے، یہ لمحہ آلوک (روشنی) ہے، یہ کلینڈروں کی تاریخ نہیں بلکہ نئے کال نئے زماں کا آغاز ہے۔جملے تھے کہ الفاظ وحروف کا ایک ایک قطرہ مے تو بہ شکن بنا ہوا تھا، گھنٹوں گھنٹیوں کے شور اور جھنڈوں اور جھنڈیوں کی سرسراتی لہروں میں اور سیاست دانوں، سرمایہ داروں اور اداکاروں کے جھنڈ میں کسی کو یہ دیکھنے کی مہلت ہی نہ تھی کہ ایک سیکولر آئین کی حفاظت اور اس پر عمل درآمد کرنے کا وہ حلفیہ اقرار کہاں ہے، جہاں کسی ایک مذہب، ایک تہذیب، ایک علاقہ اور ایک قوم کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، جس جنوری کی چھبیس تاریخ نے برسوں پہلے ہندوستان کے آئین کی حرمت کو حرارت بخشی، اس کے بعد ایک اور جنوری کی بائیس تاریخ کے سورج کے لیے یہ الفاظ کہاں تک جائز ہیں کہ ''یہ سورج ایک ادبھوت آبھا (بے مثال آب وتاب) لے کر آیا ہے''۔الفاظ کا غازہ کیسا ہی گہرا ہو، لیکن نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ سارا کال چکر کس کالے چکر کی جانب اشارہ کررہا ہے کہ ایک ہزار سال کی خوش خبری دراصل دو چار مہینے بعد ہونے والے پارلیمانی الکشن کی خوشی کے لیے ہے، اصل مسائل کی صحیح تصویر سامنے نہ آئے، اس کے لیے نظر کے زاویوں کو کج کرنے کے سوا اور باقی ہی کیا بچتا ہے؟ آزاد ہندوستان کی داستان کے ابھی زیادہ صفحات نہیں پلٹے

گئے ہیں۔ یہ داستان حسرت بھری بھی ہے جس کی خموشی، گفتگو بن گئی ہے اور بے زبانی ہی اب اس کی زبان ہے۔ یہ کال چکر کا آغاز ہے، انتہا نہیں، فَتَرَبَّصُوْا۔

ہندی صحافیوں کی ایک گفتگو سے معلوم ہوا کہ ۱۹۹۲ء سے پہلے بھی ہندی صحافت کا رویہ کچھ جانب دارانہ تھا، تاہم یہ رویہ سو فی صد نہیں تھا، لیکن ۱۹۹۲ء کے بعد اس کا رخ مکمل طور پر یک طرفہ ہوگیا، اس غیر منصفانہ جانب داری کی اطلاع اور اس پر دکھ کا اظہار بھی ان چند ہندی صحافیوں ہی کے ذریعہ ہوا جو آج بھی صحافت کی اصل قدروں کی پاسداری کرتے ہوئے جرأت اور بڑی حد تک قربانی دیتے ہوئے حق کی آواز بلند کیے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر اردو صحافت کی یاد آنا فطری بات ہے، اردو صحافت یعنی سب سے بڑی اقلیت کی صحافت، صحافت ہی کیا؟ قیادت ہی کہاں ہے، نہ مذہبی نہ سیاسی، نہ معاشی، نہ تعلیمی، نہ سماجی، سوشل میڈیا اب ایک طاقتور ذریعہ ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مگر وہ اب بھی اس قسم کی بحثوں میں زیادہ الجھا دینے والا ہے کہ مہدی کب آئیں گے اور کیا ایک وقت جنت اور دوزخ دونوں کی ضرورت ختم ہوجائے گی۔ یاد آتا ہے کہ جب بابری مسجد ڈھادی گئی تو معارف نے مقدور بھر مسلمانوں کی کمزوری کا ماتم کیا، ذلت کے اسباب گنائے، مایوس نہ ہونے کی تلقین کی اور حالات کی سنگینی کے جائزہ کی بات کی، تلخ لہجہ میں یہ بھی کہا کہ اعمال بگڑتے ہیں تو آتی ہے تباہی، حالات کا ذمہ دار اصلاً کون ہے؟ یہ سوال بھی اٹھایا، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس طرح کے حالات و مسائل سے زندہ قوموں کا شیرازۂ ہستی درہم برہم ہوتا ہے اور نہ ان کا نظامِ حیات بے کیف اور مضمحل ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہر چند یہ جملے محض انشاپردازانہ لگتے ہیں لیکن حقیقت بہرحال یہی ہے ع

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

افسوس کہ گذشتہ دنوں مشہور شاعر منور رانا اس دنیا سے رخصت ہوگئے، وہ آج کے دور زوال میں مشاعروں کی عزت کی ضمانت تھے، حالات حاضرہ پر ان کی شاعری زیادہ مرکوز تھی، معاشرتی قدروں کا احیاء انہوں نے ماں کے موضوع پر مستقل شاعری کے ذریعہ کیا۔ ایک اور نیک اور قابل قدر ہستی بدرالدین الحافظ کی تھی وہ بھی رخصت ہوگئے، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور بنارس ہندو یونیورسٹی میں عربی کے استاد رہے، کئی اچھی کتابیں لکھیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین!

مقالات

رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ لعلی بن شہاب الدین الہمدانی

تصحیح وتعارف

عمر مشتاق
(جموں وکشمیر)

umar93648@gmail.com

علوم القرآن میں ایک اہم عنوان ناسخ ومنسوخ کا ہے۔ یہ موضوع اپنی اہمیت کے پیش نظر ہمیشہ مختلف جہات سے علماء کے درمیان زیر بحث رہا ہے۔ نسخ کی لغوی واصطلاحی تعریف، منسوخ آیات کی تعداد نسخ الاحکام اور نسخ الاخبار، نسخ القرآن بالقرآن، نسخ القرآن بالسنہ اور اس طرح کے دیگر عنوانات پر علماء کرام نے علوم ومعارف کے دریا بہا دیے۔ اس موضوع پر مستقل کتب اور رسائل لکھے گئے جن میں چند اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱:الناسخ والمنسوخ فی كتاب الله مروی عن قتادة بن دعامة السدوسی (ت:۱۱۷ھ)

۲:الناسخ والمنسوخ، المنسوب لمحمد بن مسلم الزهری (ت: ١٢٤ ھ)

۳:الناسخ والمنسوخ فی القرآن العزيز، ابو عبيد القاسم بن سلام الهروی (ت: ٢٢٤ ھ)

۴:الناسخ والمنسوخ فی القرآن الكريم محمد بن حزم الاندلسی (ت: ٣٠ ھ)

۵:الناسخ والمنسوخ فی كتاب الله عز وجل، احمد بن محمد بن اسماعيل النحاس (ت: ٣٣٨ ھ)

۶:الناسخ والمنسوخ، هبة الله بن سلامة المقری (ت: ٤١٠ ھ)

۷:الناسخ والمنسوخ فی القرآن ، عبد القاهر بن طاهر البغدادی (ت: ٤٢٩ھ)

۸: الايضاح الناسخ القرآن ومنسوخه، مكی بن ابی طالب القيسی (ت: ٤٣٧ ھ)

۹: نواسخ القرآن عبد الرحمن بن علی الجوزی (ت: ٥٩٧ھ)

۱۰: الناسخ والمنسوخ، ابو منصور البغدادی (ت: ٧٥١ ھ)

۱۱: ناسخ القرآن و منسوخه ، علی بن شهاب الدين الهمدانی (ت: ۷۸٦ ھ)

۱۲: الآیات المنسوخة فی القرآن الكريم عبد الله بن محمد الامين الشنقيطی ۔

اردو زبان میں اس موضوع پر کتب تفاسیر اور علوم القرآن پر مشتمل کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں جن میں دیگر موضوعات پر کلام کرتے ہوئے اس موضوع کو خوش اسلوبی اور تسلی بخش دلائل سے سمجھایا گیا ہے۔ سردست ہم یہاں ان تین مستند کتابوں کے نام درج کیے دیتے ہیں جن میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے:

۱۔ ''فہم قرآن'' از مولانا سعید احمد اکبر آبادی (متوفی: ۱۴۰۵ھ)[1]

۲۔ ''آثار التنزیل'' از ڈاکٹر خالد محمود (متوفی: ۱۴۴۱ھ)[2]

۳۔ ''علوم القرآن'' از مفتی محمد تقی عثمانی

زیر نظر مضمون میں علی بن شہاب الدین ہمدانی کے رسالہ ''ناسخ القرآن و منسوخہ'' کا تعارف پیش ہے۔[3]

میر سید علی ہمدانی - حالات زندگی: عالم اسلام کے جلیل القدر صوفی بزرگ اور عظیم مبلغ اسلام میر سید علی ہمدانی ۱۲/رجب المرجب ۷۱۴ ہجری کو ایران کے شہر ہمدان میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدین کے زیر سایہ حاصل کی۔ اس کے بعد شیخ محمود مزدقانی اور شیخ علاء الدولہ سمنانی سے استفادہ کیا۔ انہوں نے زندگی کا خاصا وقت سیاحت میں گزارا اور دنیا کے بہت سے ممالک کا دورہ کیا۔ کشمیر میں اگرچہ ان کی آمد سے پہلے بھی اسلام اور مسلمانوں کے نشان ملتے ہیں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے وادیٔ کشمیر میں اسلام کی روح کو ایک نئی تازگی بخشی اور ہزاروں لوگوں نے ان کی کوششوں سے اسلام قبول کیا۔ انہوں اپنے حسن واخلاق اور وعظ و نصیحت سے اس وقت کی حکومت پر بھی اچھا خاصا اثر ڈالا۔

وفات: ٦ ذوالحجہ ۷۸٦ ہجری کو میر سید علی ہمدانی اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ ان کا مزار ختلان (ایران) میں ہے۔ ان کے تفصیلی حالات کے لئے ڈاکٹر شمس الدین احمد کی کتاب ''شاہ ہمدان حیات اور کارنامے'' کا مطالعہ فائدہ مند ہے۔

۱۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، فہم قرآن، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۵۴

۲۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود، آثار التنزيل، دار المعارف لاہور، سن طباعت ندارد، جلد اول ص ۴۳۵

۳۔ مفتی محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ۲۰۰۹ء، ص ۱۶۵

تصانیف: میر سید علی ہمدانی دین اسلام کے ایک عظیم داعی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال مصنف بھی تھے۔ان کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ان میں سے چند مشہور کتابوں اور رسائل کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ذخیرۃ الملوک ۲۔ رسالہ دہ قاعدہ
۳۔ شرح اسماء الحسنیٰ ۴۔ مشارب الاذواق
۵۔ مرآۃ التائبین ۶۔ رسالہ ذکریہ
۷۔ رسالہ تلقینیہ ۸۔ رسالہ دربیان اعتقاد
۹۔ رسالہ درویشیہ ۱۰۔ ناسخ القرآن ومنسوخہ

رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ: میر سید علی ہمدانی کو قرآن کریم سے بے حد لگاؤ تھا۔وہ بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کر چکے تھے۔وہ اپنی تصانیف میں جگہ جگہ قرآنی آیات سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں۔انہوں نے جو خطوط مختلف لوگوں کو لکھے وہ بھی قرآنی آیات سے مزین ہیں۔اس قرآنی شوق وذوق کے نتیجے میں میر سید علی ہمدانی نے ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ اپنے مریدین اور شاگردوں کی یاد دہانی کے لئے لکھا۔

رسالے کا نام: اس رسالے کا ذکر کتابوں میں رسالہ الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم ، رسالہ ناسخ القرآن و منسوخہ اور رسالہ ناسخ و منسوخ کے ناموں سے ملتا ہے لیکن چونکہ خود میر سید علی ہمدانی نے رسالے کے شروع میں لفظ ''ناسخ القرآن ومنسوخہ'' استعمال کیا ہے اسی لیے زیادہ تر محققین اس کو اسی نام سے ذکر کرتے ہیں۔

مندرجات: یہ مختصر رسالہ انہوں نے اپنے متعلقین کی یاد دہانی کے لئے لکھا ہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

فھذا ما جمعتہ من ناسخ القرآن و منسوخہ تذکرۃ للطالبین مستوفقا من اللہ ومستعینا بہ، انہ خیر موفق و معین۔

(یہ چیزیں میں نے قرآن کے ناسخ اور منسوخ کے بارے میں جمع کی ہیں تاکہ طلبۂ علم کی یاد دہانی ہو۔میں نے اللہ پاک سے مدد چاہتے ہوئے یہ کیا ہے اور وہی بہترین مددگار رہے)

انہوں نے اس رسالے میں قرآن کریم کی ناسخ ومنسوخ آیات کا صرف تذکرہ کیا ہے اور مختصراً صحابہ وتابعین کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات کو مضبوط کیا ہے۔آپ نے سینتیس سے زیادہ آیات پر اختصار

کے ساتھ گفتگو کی ہے،اس رسالے میں انہوں نے جن صحابہ وتابعین اور علمائے سلف کا حوالہ دیا ہے ان کے اسماءدرج ذیل ہیں:

حضرت عائشہؓ	حضرت عبداللہ بن عباسؓ
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	امام سعید بن مسیّبؒ
امام سعید بن جبیرؒ	امام عامر بن شراحیل الشعبیؒ
امام عطاء بن ابی رباحؒ	امام عکرمہ بن عبداللہؒ
امام مجاہد بن جبرؒ	امام مکحول بن ابی مسلمؒ
امام ضحاک بن مزاحم الہلالیؒ	امام عطاء بن ابی مسلم الخراسانیؒ
امام محمود بن عمر الزمخشریؒ	امام رفیع بن مہران الریاحی (ابوالعالیہ)ؒ

سید فاروق بخاری اس رسالے کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت میر سید علی ہمدانی کی تصانیف میں یہ رسالہ بھی دست بردزمانہ سے محفوظ رہا ہے۔انڈیا آفس اور مرکزی دانشگاہ طہران کے کتابخانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔اس رسالے میں شیخ ہمدانی نے قرآن کے مسئلہ ناسخ ومنسوخ سے بحث کی ہے۔ہم نے اس کے اقتباس پڑھے ہیں جن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے۔مولف نے اپنے تلامذہ اور صاحب علم ارادتمندوں کی تفہیم کے لیے یہ رسالہ لکھا ہے،اور متقدمین ہی سے خوشہ چینی کی ہے۔[۴]

یہ بات صحیح ہے کہ شاہ ہمدان نے اس رسالے میں متقدمین سے ہی خوشہ چینی کی ہے لیکن کئی مقامات پر میر سید علی ہمدانی منفرد بھی نظر آتے ہیں۔شیخ خالد حسین اسماعیل نے ایسے ۲۷ مقامات کی نشاندہی کی ہے۔[۵]

سیدہ اشرف ظفر صاحبہ شاہ ہمدان کے اس رسالے کے بارے میں لکھتی ہیں:

اس رسالہ میں آپ کلام مجید کی آیات کے نسخ ومنسوخ کے مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے چند نسخ آیات زیر بحث لائے ہیں۔اس مجموعے میں اکثر آیات جہاد،عبادات،قتال اوراوامرونواہی کے بارے میں ہیں۔[۶]

۴۔سید فاروق بخاری، کشمیر میں عربی علوم اور اسلامی ثقافت کی اشاعت، بخاری منزل سرینگر، ۱۹۸۷ء،ص ۱۶۵

۵۔ مجلّہ البحوث الاکادیمیۃ شمارہ نمبر ۱۷سال ۲۰۲۱ء

۶۔سیدہ اشرف ظفر،امیر کبیر سید علی ہمدانی،ناظم ندوۃ المصنّفین لاہور،۱۹۷۲ء،ص ۲۹۳

رسالے کا ماخذ: اگر چہ شاہ ہمدانؒ نے اپنے اس رسالے میں صرف ایک مرتبہ علامہ زمخشری کا ذکر کیا ہے لیکن مزید مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ہمدان نے اس رسالے کی تیاری میں تفسیر کشاف سے بھر پور استفادہ کیا ہے اور بیشتر باتیں اسی سے نقل کی ہیں۔

رسالے کی نسبت: رسالہ کی نسبت بعض لوگوں کو خیال ہوسکتا ہے کہ یہ کسی اور کا ہے۔اس لیے بعض داخلی شواہد اور مقتدر علما کے درج اقوال کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ رسالہ بلاشبہ میر سید علی ہمدانی کا ہی ہے۔

۱۔ میر سید علی ہمدانی کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے اس رسالے کی نسبت ان ہی کی طرف کی ہے۔مخطوطات کی فہرستوں میں بھی اس رسالے پر بطور مصنف میر سید علی ہمدانی کا نام ہی لکھا ہے۔

۲۔ میر سید علی ہمدانیؒ نے اس رسالے کے شروع میں اپنا نام خود اس طرح لکھا ہے ''**فیقول العبد الفقیر الی اللہ الغنی الجانی علی بن شہاب الھمدانی عفا اللہ عنہ بکرمہ و وفقہ لشکر نعمہ**'' میر سید علی ہمدانی نے اپنی کچھ تصانیف مثلاً ذخیرۃ الملوک اور مشارب الاذواق میں بھی اسی طرح شروع میں اپنا نام لکھا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بھی ان کا ہی ہے۔

۳۔ یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور عالم مولانا نواب صدیق حسن خان کے زیر مطالعہ رہا ہے اور انھوں نے بھی اس کی نسبت میر سید علی ہمدانی کی طرف ہی کی ہے۔نواب صاحب مرحوم نے تین جگہ پر اس رسالے کا ذکر اپنی کتاب افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ میں کیا ہے۔مولانا نواب صدیق حسن خان ناسخ ومنسوخ پر کتابیں لکھنے والوں کا تعارف پیش کرتے ہوئے ان میں ایک نام ''علی ہمدانی'' بھی ذکر کرتے ہیں۔[۷]

آیت: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ۔ (النسآء:۱۹) کے متعلق نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں: **ولھذا ابن عباس**

۷۔ مولانا نواب صدیق حسن خان، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی، لاہور، ۱۹۰۰ء ص۳

گفتہ هی محکمة لم تنسخ، ذکره علی الهمدانی فی ناسخه [۸]

یہاں مولانا نواب صدیق حسن خانؒ نے حضرت ابن عباس کے قول کو شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی کے رسالہ ناسخ القرآن ومنسوخہ سے نقل کیا ہے۔ یہ قول میر سید علی ہمدانی نے اپنے رسالے میں اس آیت کے تحت یوں لکھا ہے: **و عن ابن عباس، هی محکمة یعنی لم تنسخ** [۹]

اسی طرح نواب صدیق حسن خان آیت **والَّذِینَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُم بِعَذَابٍ اَلِیم** [التوبۃ ۳۴] کے متعلق لکھتے ہیں کہ: **علی همدانی گفته اصح آن است که منسوخ نیست** [۱۰]

یہاں بھی نواب صاحب نے میر سید علی ہمدانی کے رسالے سے ہی دلیل پیش کی ہے۔ یہ بات اس آیت کے تحت میر سید علی ہمدانی نے اپنے رسالے میں یوں لکھی ہے۔ **والاصح انها لم تنسخ** [۱۱]

مخطوطات: راقم الحروف کے علم کے مطابق اس رسالے کے مخطوطات درج ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

۱۔سید محمد حسین جلالی کے بقول اس کا ایک مخطوطہ مکتبہ آستان قدس رضوی مشہد (ایران) میں مجموعہ نمبر ۵۹۹ کے اندر صفحہ ۶۹ سے ۷۷ تک شامل ہے جس کی کتابت ۸۸۱ ہجری میں ہوئی ہے۔ [۱۲]

۲۔نسخہ مکتبہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس لندن رقم IO (Delhi ۹۸۱) ۴۳۱۴

۳۔مکتبہ دارالکتب الظاہریہ دمشق میں ایک نسخہ رقم مجموعہ ۴۴۲۵ صفحہ ۶۷ سے ۷۷ تک موجود ہے جس کو تاج الدین محمد بن زھرۃ الحسینی الحلبی نے ۹۰۷ ہجری میں لکھا ہے۔

۴۔مکتبہ پرنسٹن یونیورسٹی مجموعہ جاریت رقم B ۳۴۲ (رقم تسلسل ۲۰۱۵) میں ایک نسخہ صفحہ ۲۰۷ سے ۲۰۹ تک شامل ہے جس کو ابن محمد شریف خاتون آبادی نے ۱۰۲۸ ہجری میں لکھا ہے۔

۸۔ماخذ سابق، ص ۳۶

۹۔میر سید علی ہمدانی، ناسخ القرآن ومنسوخہ، مخطوط

۱۰۔مولانا نواب صدیق حسن خان، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی، لاہور، ۱۹۰۰ء، ص ۵۰

۱۱۔میر سید علی ہمدانیؒ، ناسخ القرآن ومنسوخہ، مخطوط

۱۲۔سید محمد حسین الحسینی الجلالی، فہرس التراث، دار الولاء الصناعۃ النشر، بیروت، ۲۰۱۵ء، ص ۴۱۱

۵۔ نسخہ مکتبہ آستان قدس رضوی مشہد (ایران) رقم مجموعہ ۳۳۷۵۹

۶۔ مکتبہ آستان قدس رضوی لائبریری میں ایک اور نسخہ رقم ۶۷۵۷ پر موجود ہے جو ۱۰۸۸ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۷۔ مکتبہ آستان قدس رضوی میں ہی رقم ۱۹۱۰۳ پر ایک اور نسخہ بھی موجود ہے جو ۱۲۳۳ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۸۔ نسخہ مکتبہ مجلس شورای اسلامی ایران رقم مجموعہ ۱۸۳۱۳ صفحہ ۵۸ سے ۵۹ تک۔ اس کی کتابت ۱۲۶۰ ہجری میں ہوئی ہے۔

۹۔ نسخہ مکتبہ مجلس شورای اسلامی ایران رقم مجموعہ ۱۲۹۷، صفحہ ۴۷ تا ۴۹

۱۰۔ نسخہ مکتبہ اماسیا بایزید ترکی رقم Ba۵۱۹ ۰۵

۱۱۔ نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۲۸۳۰

۱۲۔ نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۱۲۹۷

۱۳۔ نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۳۹۱۶

۱۴۔ نسخہ مکتبہ تہران یونیورسٹی رقم ۱۶۶۷

۱۵۔ نسخہ مکتبہ لینن گراڈ (روس) رقم B۲۲۸ ۴۲۰۰

۱۶۔ نسخہ مکتبہ المتحف الآسیوی استنبول، ترکی (مجموعہ بخاری) رقم ۱۰۸۰

۱۷۔ مکتبہ آیت اللہ مرعشی (ایران) میں ایک نسخہ رقم ۸۳۲۱ پر موجود ہے جس کی کتابت ۱۲۵۲ ہجری میں ہوئی ہے۔

۱۸۔ مکتبہ آیت اللہ مرعشی میں ہی دوسرا نسخہ رقم ۱۱۳۵۷ پر موجود ہے۔

۱۹۔ مکتبہ گلپایگانی قم میں رقم ۱۷۶۴ پر یہ رسالہ موجود ہے۔

۲۰۔ مکتبہ گلپایگانی قم میں ایک اور نسخہ رقم ۶۷۴۸ پر موجود ہے۔

۲۱۔ مکتبہ فیضیہ قم میں ایک نسخہ رقم ۷۴۸ پر موجود ہے۔

۲۲۔ مکتبہ دانشگاہ اصفہان میں ایک نسخہ رقم ۳۶۱ پر موجود ہے جو ۱۲۲۸ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۲۳۔مکتبہ ملی تہران میں ایک نسخہ رقم ۴۶۳۴ پر موجود ہے جو ۱۳۶۹ ہجری میں لکھا گیا ہے۔

۲۴۔مکتبہ آران کاشان: محمد ہلال، میں ایک نسخہ رقم ۷ا پر موجود ہے۔

مطبوعہ نسخے: ہماری معلومات کے مطابق یہ رسالہ تین بار شائع ہوا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔اس رسالے کو محمد جواد النجفی نے اپنی تحقیق سے شائع کیا ہے۔تلاش کے باوجود یہ ایڈیشن ہمیں دستیاب نہ ہوسکا۔

۲۔شیخ حاتم صالح الضامن نے ۲۰۱۱ میں مجلّہ آفاق (مرکز جمعۃ الماجد، دبئ) کے شمارہ نمبر ۷۳ میں اس رسالے کو اپنی تحقیق سے شائع کیا۔اس میں انہوں نے دار الکتب الظاہریہ دمشق (رقم ۴۴۲۵) کے نسخے کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کی تصحیح کی ہے۔

۳۔یہ رسالہ شیخ خالد حسین اسماعیل کی تحقیق سے ۲۰۲۱ میں مجلّہ البحوث الاکادیمیہ شمارہ نمبر ۱۷ میں بھی شائع ہو چکا ہے جس میں محقق نے مکتبہ آستان قدس رضوی (رقم ۳۳۷۵۹) مکتبہ دار الکتب الظاہریہ (رقم ۴۴۲۵) اور مکتبہ پرنسٹن یونیورسٹی (رقم جاریت ۳۴۲B) کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کی تصحیح کی ہے۔

رسالے کا عربی متن: [یہ رسالہ چونکہ کم یاب اور مختصر بھی ہے اس لئے یہاں اس کا متن ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔متن کی تصحیح میں شیخ خالد حسین اسماعیل کے تین نسخوں کے علاوہ نسخہ مکتبہ مجلس شورای اسلامی ایران رقم مجموعہ ۱۸۳۱۴ اور رقم مجموعہ ۱۲۹۷ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔شیخ خالد حسین اسماعیل اور شیخ خاتم صالح کے تصحیح شدہ نسخوں میں بعض جگہوں پر کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں جن کو صحیح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔رسالے کے مخطوطات میں جس قدر آیات لکھی تھیں، اتنی ہی لکھ کر متن کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے، صحابہ اور تابعین کے اقوال کی تخریج مضمون کے زیادہ طویل ہونے کے خوف سے ترک کردی گئی ہے۔مرتب]

عربی متن

بسم الله الرحمن الرحيم و به ثقتی

الحمد الله حق حمده والصلاة على خير خلقه اما بعد : فيقول العبد الفقير الى الله الغنى الجانى على بن شهاب الهمدانى ، عفا الله عنه بكرمه ووفقه لشكر نعمه.

فهذا ما جمعته من ناسخ القرآن ومنسوخه تذكرة للطالبين مستوفقا من الله ومستعينا به ، انه خيرموفق ومعين من سورة البقرة:

۱۔ قوله تعالى: كُتِبَ عَلَيْكُمُ القِصَاصُ فِيْ الْقَتْلٰى (البقرة :۱۷۸) قال سعيد بن المسيب، والشعبى ، والنخعى، وقتادة: هو منسوخ بقوله:النفس بالنفس [المائدة ٤٥ وقال الحسن، وعطاء ، وعكرمة،وعمر بن عبدا لعزيز هى محكمة ليست بمنسوخة۔

۲۔ قوله تعالى: الوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالاَقْرِبِيْنَ [البقرة ۱۸۰]، منسوخ : بآية الميراث.وقيل : لم تنسخ، بل يجمع بين الوصية والميراث ۔

۳۔ قوله تعالى: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط(البقرة ۲۱۷)، منسوخ بقوله . فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوْهُمْ (التوبه ٥)

۴۔ قوله تعالى: وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُوْمِنَّ (البقرة ۲۲۱) ، منسوخ بقوله والْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوالْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائده : ٥)

۵۔ قوله تعالى : وَصِيَّةً لِاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعاً اِلَى الْحَوْلِ (البقرة ۲٤۰) ، اى ينفق عليهن من تركته ولا يخرجن من مساكنهن، وكان ذلك فى اول الاسلام ثم نسخت المدة بقوله: اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْراً (البقرة ۲۳٤)

۶۔ قوله تعالى: لَآاِكْرَاهَ فِيْ الدِيْنِ (البقرة ۲٥٦)، قال بعضهم نسخت بقوله جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (التحريم ۹)

ومن سورة آل عمران:

۷۔ قوله تعالى: يَآ يُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْاللّٰه حَقَّ تُقَاتِهِ (آل عمران ۱۰۲) قيل: نسخت بقوله فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَااسْتَطَعْتُمْ (التغابن ١٦) ومن سورة النسآء

۸۔ قوله تعالى : وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوْا الْقُرْبىٰ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنُ (النساء ۸)، نسخت بآية الميراث ، وقال سعيد بن جبير: والله مانسخت۔

۹۔ قوله تعالى: وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ (النساء ١٥) ، نسخت بقوله

تعالیٰ : اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا (النور ۲)

۱۰ــ قوله تعالى : لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهاً (النساء ۱۹)، قيل : نسخت بالحدود۔

۱۱ــ قوله تعالى: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰ تُوْ هُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (النساء ۲٤)، كان ذلك فى اول الاسلام ثم نسخت ، وعن ابن عباس: هى محكمة، يعنى لم تنسخ ۔

۱۲ــ قوله تعالى: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمٰنُكُمْ فَاٰ تُوهُمْ نَصِيْبَهُمْ (النساء ۳۳) ، كان الرجل فى اول الاسلام يتعاقد الرجل فيقول: دمى دمك وحربى حربك، وسلمى سلمك وترثنى وارثك، فيكون للحليف السُّدس من ميراث الحليف، فنسخ هذا الحكم بآية الميراث۔

۱۳ــ قوله تعالى: لَا تَقْرَبُوْا الصَّلوٰةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء ٤۳)، نسخت بقوله : اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ (المائدة ۹۰) ومن سورة المآئده

۱۴ــ قوله تعالى : لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (المائده ۲) الى قوله: وَلَا آمِّيْنَ (المائده ۲) اى لا تحلوا قوما قاصدين المسجد الحرام، قال ابن عباس : كان المسلمون والمشركون يحجون جميعا فنهى الله تعالى المسلمين ان يمنعوا احدا عن حج البيت بقوله: لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ، ثم نزل بعد ذلك : اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبه ۲۸) فنسخت وقال مجاهد ، والشعبى: لا تُحِلُّوْا نسخت بقوله : وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (البقرة ۱۹۱)

۱۵ــ قوله تعالى : حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ (المائده ۱۰٦) ، اى : من اهل الذمه، عن مكحول قال: كان هذا فى اول الاسلام وقلة المسلمين، ثم نسخت بقوله : وَاَشْهِدُوْا ذَوَى عَدْلٍ مِنْكُمْ (الطلاق ۲) ومن سورة الانعام:

۱٦ــ قوله تعالى : اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ (الانعام ۱٥۹) ، اى من السوال عنهم وعن تفرقهم، ومن عقابهم قيل: منسوخ بآية السيف ۔ ومن سورة الانفال ۔

۱۷ــ قوله تعالى: وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا أُوْلٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الانفال ۷۲)

ای یتولی بعضهم بعضا فی المیراث، کان المهاجرون والانصار یتوارثون بالهجرة والنصرة دون ذوی القرابات حتی نسخ ذلک بقوله : وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (الانفال ۷۵) ومن سورة التوبة:

۱۸۔ قوله تعالیٰ : وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فأَجِرْهُ (التوبه ٦) ، قال السدی، والضحاک : منسوخة بقوله: فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ (التوبه ٥) ، وقال الحسن : هی محکمة ۔

۱۹۔ قوله تعالی : وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (التوبة ٣٤) ، قیل : نسخت بآیة الزکاة، والاصح انها لم تنسخ ۔

۲۰۔ قوله تعالی : فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (التوبة ٣٦) ، ای لا تجعلوا حرامها حلالا: قال عطاء الخراسانی : احلت القتال فی الاشهر الحرم ونسخت بآیة السیف، وقال عطاء : ما نسخت ، ولا یحل القتال فیهن الا ان یقاتلوا۔

۲۱۔ قوله تعالی: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبة ٤١) ، قال ابن عباس: نسخت بقوله: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى (التوبة ٩١) ومن سورة یونس:

۲۲۔ قوله تعالی: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ (یونس ٤١) قیل: منسوخ بآیة السیف ایضاً۔ ومن سورة الحجر:

۲۳۔ قوله تعالی: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (الحجر ٨٥) ، قیل : منسوخ بآیة السیف ایضاً، وقال لزمخشری : یجوز ان یراد به المخالفة فلا یکون منسوخاً ۔ ومن سورة بنی اسرائیل ۔

۲۴۔ قوله تعالی: قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا (الاسراء ١٠٧) ، قیل : منسوخ بآیة السیف ایضاً۔

۲۵۔ قوله تعالی: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (الاسراء ١١٠) قال بعضهم : منسوخة بقوله: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف ٥٥) ومن سورة المؤمنون:

۲۶ــ قوله تعالى : اِدۡفَعۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ السَّيِئَةَ (المؤمنون ٩٦) ، قيل : منسوخة بـآية السيف،وقيـل: مـحـكـمة لان الـمداراة محثوث عليها مالم تؤد الى كتم دين ۔ومن سورة النور:

۲۷ــــ قـولـه تـعـالى: اَلزَّانِىۡ لَا يَنۡكِحُ اِلَّا زَانِيَةً (النور ٣) ، قيل : كان نكاح الزانية مـحـرمـا فـى اول الاسـلام ، ثـم نسخ بقوله: وَاَنۡكِحُوۡا الۡاَيٰمٰى مِنۡكُمۡ (النور ٣٢) ، وقال سعيد بن المسيب : نسخ بالا جماع۔ ومن سورة الفرقان:

۲۸ــــ قـولـه تـعـالـى: وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجَاهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلَامًا (الفرقان ٦٣) عن ابى العالية : نسختها آية القتال۔ ومن سورة الاحزاب:

۲۹ــ قوله تعالى: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡ م بَعۡدُ (الاحزاب ٥٢) ، عن عائشة: ما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى احل له النساء، يعنى : الآية منسوخة، وقيل : لا يبـعـد ان يـكـون نسـخـهـا بـقـولـه : اِنَّا اَحۡلَلۡنَا لَكَ اَزۡوَاجَكَ (الاحزاب ٥٠) لأن ترتيب النزول ليس على ترتيب المصحف ۔

ومن سورة الجاثية:

۳۰ــ قوله تعالى: قُلۡ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (الجاثية ١٤) قيل : نزلت قبل آية القتال، ثم نسخ حكمها ۔ ومن سورة الاحقاف:

۳۱ــــ قـولـه تعالى: مَا يُفۡعَلُ بِىۡ وَلَا بِكُمۡ (الاحقاف ٩) ، قال ابن عباس: منسوخة بقوله: لِّيَغۡفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّم مِنۡ م ذَنۡبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح ٢) ومن سورة ق:

۳۲ــ قوله تعالى: فَاصۡبِرۡ عَلَىٰ مَا يَقُوۡلُوۡنَ (ق ٣٩) ، قيل : منسوخة بآية السيف ۔

ومن سورة المجادلة:

۳۳ــ قوله تعالى: اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰكُمۡ صَدَقَةً (المجادلة ١٢)، قال ابن عباس: منسوخة بالآية التى بعدها، وقيل: باية الزكاة ۔ ومن سورة الممتحنة:

۳۴ــــ قـوله تعالى: لَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِىۡ الدِّيۡن (الممتحنة ٨)،

قال قتادة: نسختها آية القتال۔ ومن سورة المزمل:

۳۵۔ قوله: قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا (المزمل ۲) ، قيل : منسوخة بقوله: اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰى (المزمل ۲۰) والآيتان منسوختان بالصلوات الخمس۔

۳۶۔ قوله تعالى: وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡراً جَمِيۡلًا (المزمل ۱۰) منسوخة بآية السيف۔

من ، سورة الكافرون:

۳۷۔ قوله تعالى: لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنَ (الكافرون ٦) منسوخة بآية القتال ، والله اعلم بالصواب و بحقائق الاحوال۔

مصادر و مراجع:

۱۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی از سیدہ اشرف ظفر (ناظم ندوۃ المصنّفین)، لاہور، ۱۹۷۲ء

۲۔ احوال وآثار واشعار میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

۳۔ شاہ ہمدان احوال وآثار وآراء از پرویز ازکائی، دانشگاہ پیام نور، ہمدان، تاریخ اشاعت درج نہیں۔

۴۔ شاہ ہمدان حیات اور کارنامے از پروفیسر شمس الدین احمد۔ حاجی غلام محمد اینڈ سنز، سرینگر کشمیر، ۲۰۱۰ء

۵۔ افادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ از مولانا نواب صدیق حسن خان، مطبع محمدی، لاہور، ۱۹۰۰ء

۶۔ معارف القرآن از مفتی شفیعؒ، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۱۸ء

۷۔ آثار التنزیل از علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، دار المعارف، لاہور تاریخ اشاعت درج نہیں۔

۸۔ علوم القرآن از مفتی تقی عثمانی، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ۲۰۰۹ء

۹۔ فہم قرآن از مولانا سعید اکبر آبادیؒ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۲ء

۱۰۔ کشمیر میں عربی علوم اور اسلامی ثقافت کی اشاعت از سید فاروق بخاری، بخاری منزل، سرینگر، کشمیر، ۱۹۸۷ء

۱۱۔ مجلّہ آفاق الثقافۃ (مرکز جمعۃ الماجد، دبئی) شمارہ نمبر ۳۷ سال ۲۰۱۱ء

۱۲۔ مجله البحوث الاكاديمية شمارہ نمبر ۱۷ سال ۲۰۲۱ء

۱۳. فهرس المخطوطات العربية فى جامعة برنستون از محمد عایش

۱۴۔ الفهرس الشامل للتراث العربى الاسلامى المخطوط – مخطوطات التفسير و علومه الجزء الاول،

المجمع الملکی لبحوث الحضارة الاسلامیة ، عمان ،(اردن)۱۹۸۹ء

۱۵۔ فهرستگان نسخه های خطی ایران (فنخا) از مصطفی در ایتی ،سازمان اسناد وکتابخانہ ملی جمہوری اسلامی ایران،تہران، ۱۳۹۰ھ

۱۶۔ فهرس التراث از سید محمد حسین الحسینی الجلالی دارالولاء لصناعة النشر ، بیروت ۲۰۱۵ء

۱۷۔ The Union catalogue of manuscripts in Turkey, Culture and Tourism Ministry, Ankara, Prime Ministry Printing House, 1979.

۱۸۔ EMIR-I KEBIR SEYYID ALI Hemedani HAYATI, ESERLERI VE GORUSLERI Abdulrakip ARSLAN, Dicle University, Turkey, 2017.

اسلامی تعددیت فقہ الاقلیات کے تناظر میں

امانت علی قاسمی

ریسرچ اسکالر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد

aaliqasmi1985@gmail.com

تعددی سماج کا مطلب ایک ایسا سماج جس میں ہر طرح کے لوگ اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ زندگی گزارتے ہوں ، یا مختلف رنگ ونسل اور تہذیب کے حامل ہونے کے باوجود آپس میں گھل مل کر رہتے ہوں ،مختلف زبانوں اور متعدد کلچر اختیار کرنے والوں اور الگ الگ عقیدوں کے حامل اور متضاد فکر اور تہذیب وثقافت تعددی سماج کے لیے ناگزیر ہیں اور ان میں مذہبی اختلاف ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک ہی مذہب کے ماننے والا مختلف نظریات اور تہذیب وثقافت اور مختلف زبان وغیرہ پر مشتمل ہے تو اس کو بھی تعددی سماج کہا جاسکتا ہے۔

مذہبی بنیادوں پر اگر تقسیم کیا جائے تو تعددی سماج کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک وہ سماج جس میں مثلاً مسلمان اقلیت میں ہوں اور دوسرے مذہب کے ماننے والے اکثریت میں ہوں۔ دوسری صورت یہ کہ مسلمان اکثریت میں ہوں اور دوسری قومیں اقلیت میں ہوں۔

اسلامی تناظر میں غور کیا جائے تو ہمیں دونوں کی نظیریں عہد نبویؐ میں مل جاتی ہیں۔ مکہ میں آپ ﷺ کفار مکہ کے ساتھ زندگی گزارتے رہے اور جب انہوں نے آپسی صلح کی کوشش کی اور یہ طے ہوا کہ ایک دن تمام لوگ مسلمانوں کے خدا کی عبادت کریں گے اور دوسرے دن مسلمان کفار کے بتوں کی پوجا کریں گے تو اس موقع پر قرآن کریم کی آیت لکم دینکم ولی دین [1] نازل ہوئی کہ مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہے اور کفار مکہ کے لیے اپنا دین ہے دونوں اپنے اپنے دین پر عمل کریں، اس سے تعددی سماج کا بنیادی تصور سامنے آتا ہے پھر جب مکہ میں مسلمانوں کے لیے اپنے مذہب اور عقیدے پر عمل مشکل ہوگیا تو آپ ﷺ نے حبشہ ہجرت کرنے کی ہدایت کی تھی اور حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کا استقبال کیا اور ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی اس طرح پہلا ایسا معاشرہ وجود میں آیا۔ جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور عیسائی اکثریت میں تھے اور مسلمان ملکی قوانین کی پاسداری کے ساتھ

۱۔ القرآن الکریم ،سورۃ الکافرون:٦

جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور عیسائی اکثریت میں تھے اور مسلمان ملکی قوانین کی پاسداری کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل پیرا تھے۔ اور جب آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کیا اور مدینہ ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے وجود میں آیا تو آپ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ معاہدے کیے جو ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مشہور ہے، مدینہ ایک ایسا اسٹیٹ بنا جہاں مسلمان اکثریت میں تھے اور یہودی اقلیت میں تھے ،اس طرح مسلم اقلیت اور اکثریت دونوں مثالیں ہمیں عہد نبویؐ سے مل جاتی ہیں اور یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام تعددی سماج کا روادار ہے۔

تعددی معاشرہ کے بنیادی اصول: تعددی سماج کا بنیادی اصول احترام انسانیت ہے، اس سے ہی معاشرہ استحکام پذیر ہوتا ہے، اسلام احترام انسانیت کے تعلق سے بہت واضح پیغام رکھتا ہے قرآن میں ہے: ولقد کرمنا بنی آدم [۲] ہم نے بنی آدم کو محترم بنایا ہے، ایک انسان کے ناحق قتل کو اسلام پوری انسانیت کا قتل مانتا ہے، مردہ انسان کے بھی احترام کا حکم دیتا ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے آپ کو بتایا گیا کہ یہ تو کسی یہودی کا جنازہ ہے تو آپؐ نے فرمایا : کیا یہ انسان نہیں ہے؟ [۳]

تعددی سماج کی دوسری مستحکم بنیاد مذہبی آزادی ہے، اسلام نے بہت واضح لفظوں میں مذہبی آزادی کو بیان کیا ہے، ہر کسی کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے۔ لکم دینکم ولی دین اس کا واضح اعلان ہے۔ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ ہوا اس میں اس کی صراحت ہے ان یہود بنی عوف امۃ مع المومنین، لليهود دينهم و للمسلمين دينهم [۴] کہ بنو عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں، یہود کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین ہے، اسلام کسی کو بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے، خواہ وہ کسی مسلمان کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن الحصین انصاری کے دولڑکے تھے جو ہجرت سے پہلے عیسائی مذہب اختیار کر کے شام چلے گئے جب وہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے دونوں بیٹے سے اسلام میں داخل ہونے پر اصرار کیا دونوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہ معاملہ حضورؐ کے پاس گیا؛ اس موقع پر لا اکراہ فی الدین [۵] آیت نازل ہوئی جس پر ان کے والد نے ان دونوں کو چھوڑ دیا [۶]۔

۲۔ القرآن الکریم، سورۃ الاسراء: ۷۰

۳۔ صحیح البخاری، باب من قام الجنازۃ یہودی، حدیث نمبر: ۱۳۱۲

۴۔ ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، مکتبۃ المصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، ۱۹۵۵ء، ج ۱ ص ۵۰۳

۵۔ القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ: ۲۶۵

۶۔ تفسیر الخازن، سورۃ البقرۃ ج ۱، ص ۱۹۱

تعددی سماج کی مستحکم بنیاد کے لیے تیسرا اصول شہریوں کے ساتھ مساوات اور عدل وانصاف اور مذہبی بنیاد پر امتیاز نہ کرنا ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ میں اس کی بہت واضح مثالیں ملتی ہیں، ہندوستان میں بھی مسلم عہد حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر غیر مسلم فائز تھے،اسلامی حکومتوں میں مذہبی رواداری کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ عقیدے اور مذہب سے قطع نظر صلاحیت کی بنیاد پر عہدے دیے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ عباسی دور میں عیسائی اطبا کو خلفاء کے یہاں اہم مقام حاصل تھا، دمشق کے طبی مدارس کی نگرانی عرصہ دراز تک عیسائی اطباء کرتے رہے، مذہبی رواداری کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ دیگر مذاہب کے ماننے والے اپنا تہوار پوری آزادی کے ساتھ مناتے تھے، اموی دور سے ہی عیسائی اپنے عام جلوس سڑکوں پر نکالتے تھے ان کے آگے آگے صلیبیں ہوتی تھیں اور مذہبی پیشوا اپنا مخصوص مذہبی لباس زیب تن کیے ہوتے تھے۔[۷]

اسلامی تعددیت اور فقہ الاقلیات: فقہ الاقلیات ایک جدید اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لیے فقہی ذخیرے کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی شریعت پر عمل کی راہیں تلاش کی جائیں[۸]،فقہ اسلامی کا بڑا ذخیرہ اسلامی ممالک کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے یا پھر غلبہ کی صورت میں یا قدیم ملکی اور سیاسی صورت حال کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے جس میں ملک کی دو تقسیم ہوا کرتی تھی دارالاسلام اور دارالحرب، عام طور پر فقہ کی کتابوں میں ملک کی یہی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں آج کی صورت حال بدل چکی ہے، آج دنیا کے اکثر ممالک اقوام متحدہ کے معاہدہ امن کے تحت ہیں جنہیں دارالحرب نہیں کہا جاسکتا ہے،اسی طرح بہت سے مسلم ممالک ہیں لیکن ''انہیں اصطلاحی اسلامی ملک نہیں کہا جاسکتا ہے زیادہ تر ممالک اس وقت جمہوری نظام کے ساتھ قائم ہیں جہاں پر اقلیت اور اکثریت کی تعبیر استعمال ہوتی ہے اور اکثریت کی حکومت ہوتی ہے جب کہ اقلیت بھی برابر درجہ کی شہری ہوتی ہے اور تمام شہری حقوق بلا امتیاز مذہب اقلیت کو بھی حاصل ہوتے ہیں بس اقلیت میں ہونے کی وجہ سے زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا ہے،اس لیے موجودہ صورت حال،قدیم صورت حال میں مقابلہ میں بالکل بدل چکی ہے،اس لیے ضرورت ہے کہ تعددی معاشرے میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں ان کے لیے فقہ الاقلیات کے اصول کے پیش نظر اسلامی شریعت کے بنیادی نصوص قرآن وحدیث اور فقہی ذخیرہ کو سامنے رکھ کر غور وخوض کیا جائے اور اقلیت کے لیے عمل کی راہ تلاش کی جائے جہاں وہ اقتدار وقوت سے محرومی کی وجہ سے اسلامی احکام وتعلیمات پر عمل

۷۔ مصطفیٰ السباعی،من روائع حضارتنا،دارالسلام،قاہرہ،۱۹۹۸ء،ص۱۴۴

۸۔ عبدالمجید النجار،مآلات الافعال واثرہا فی فقہ الاقلیات،المجلس الاوروبی للافتاء والبحوث،پیرس،۲۰۰۲،۲۴

کرنے کے حوالے سے اس حیثیت میں نہیں ہوتے ہیں جس قوت واختیار کے ساتھ اسلامی ممالک کے مسلمان ہوتے ہیں۔

ماضی میں ستر کی دہائی کے بعد جب یورپ میں مسلمانوں میں اسلامی بیداری شروع ہوئی تو یورپی علماء اور عرب علماء نے فقہ الاقلیات پر خصوصی توجہ دی[9] اور آج ہندوستان میں بھی اس موضوع پر گفتگو جاری ہے، ہندوستان میں چوں کہ مسلمان بڑی تعداد میں ہیں جو کہ بہت سے اکثریتی مسلم ممالک کی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہیں اور مسلمان یہاں ایک زمانہ تک حکومت کر چکے ہیں، دینی مدارس جامعات اور تحریکات کی کثرت کی وجہ سے شروع سے ہی مسلمانوں کا دینی شعور یورپ سے مختلف رہا ہے اور یہاں انگریز حکومت اور پھر آزادی کے بعد جو نئی تبدیلی پیدا ہوئی اس کو سامنے رکھ کر حضرات فقہاء اجتہاد کرتے رہے ہیں اور ضرورت وحاجت کی بنا پر شرعی گنجائش کو سامنے رکھ کر عمل کرتے رہے ہیں اگر چہ یہ ساری تبدیلیاں ''فقہ الاقلیات'' کا حصہ ہیں تاہم یہاں پر آج بھی یہ تعبیر عرب اور یورپ کے مقابلے میں غیر مانوس ہے۔

بہر حال وہ تعددی سماج جس کا حصہ مسلمان بھی ہو اور مسلمان اقلیت میں ہوں ان کے لیے شرعی بنیادوں پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعددی سماج میں اقلیتوں کے لیے رہائش کی اجازت ہے یا نہیں؟ کس حد تک اکثریت کے ساتھ معاشرتی زندگی گزارنے کی اجازت ہے، مثلاً، ان کے ساتھ الفت ومحبت کا دائرہ کار کیا ہوگا؟ تشبہ کی کیا حیثیت ہوگی اور کس حد تک تشبہ کی اجازت ہوگی؟ غیر مسلموں کو سلام میں پہل کرنے یا ان کے سلام کا جواب دینے کا کیا حکم ہوگا؟ غیر مسلموں کی عیادت اور ان کے جنازہ میں شرکت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ تہواروں کے موقعوں پر مبارک بادی دینا اور تحفہ وتحائف کا لین دین کس حد تک جائز ہوگا؟ ہم اپنے اس مقالے میں اس طرح کے چند مسائل پر گفتگو کریں گے۔

غیر مسلم ممالک میں رہائش کا مسئلہ: مسلمانوں کے لیے غیر مسلم معاشرے میں اقامت اختیار کرنے کا کیا حکم ہے؟ غیر مسلم ملک میں شہریت اختیار کرنے کو عرب اور یورپ کے علماء نے گفتگو کا موضوع بنایا ہے جب کہ ہندوستان میں اس موضوع پر عام طور پر گفتگو نہیں کی جاتی ہے اس لیے کہ انگریزوں کے اقتدار کے بعد اگر چہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ جنگ کی اور دو سو سال ان کو ملک سے بھگانے میں جنگ کی حالت میں گزر گئے لیکن ملک کی آزادی کے بعد جب یہاں کا دستور جمہوری قرار

۹۔ یورپین افتاء کونسل، اجتماعی فیصلے اور فتاوی، آئی او اس سینٹر فار عربک اینڈ اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی، ۲۰۰۸، ۲۳۰

دیا گیا تو ملک کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یہاں رہنے کو ترجیح دیا اور آج بھی ملک کے شہری کی حیثیت سے رہ رہے ہیں اس لیے کہ جمہوری ملک یا غیر اسلامی ملک میں رہنا اسلامی احکام کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا گیا کہ اسلام تعددی سماج کا مخالف نہیں ہے، بلکہ بہت سے دلائل اور نظائر ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ معاشرتی زندگی گزارنا جائز ہے۔ حضرت ضماد الازدی مکہ مکرمہ تشریف لائے جو جھاڑ پھونک جانتے تھے جب انہوں نے سنا کہ اہل مکہ آپ ﷺ کو مجنون کہتے ہیں تو انہوں نے سوچا شاید میرے جھاڑ پھونک سے محمد ﷺ کی بیماری دور ہو جائے لیکن جب آپ ﷺ کا کلام سنا تو آپ کے دست حق پر اسلام قبول کر لیا اور پھر واپس اپنی قوم میں جا کر رہنے لگے۔[۱۰] حضرت عمرو بن عبسہ سلمی نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور حضورؐ کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی آپ ﷺ نے فرمایا ابھی اس کی گنجائش نہیں ہے **انک لا تستطیع ذلک یومک هذا** تم اپنے گھر لوٹ جاؤ اور جب ہمارے غلبہ کا علم ہو تو لوٹ آنا۔[۱۱] حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم میں واپس چلے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے ، پھر آپ ﷺ سے اپنی قوم کی شکایت کی اور آپ سے اپنی قوم کے لیے بدعا کرنے کی درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا: اللهم اهد دوسا وات بهم اے اللہ دوس کو ہدایت دے دیجیے اور ان کو ہمارے پاس بھیج دیجیے، حضرت طفیل پھر واپس اپنی قوم میں آ گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی یہاں تک آپ ﷺ کے ہجرت کرنے بلکہ غزوہ احد، بدر اور خندق کے بعد اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ خیبر آئے اس وقت آپ ﷺ خیبر میں تھے۔[۱۲] حضرت ابوذر غفاری اسلام میں داخل ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اپنی قوم میں لوٹ جاؤ اور میری طرف سے حکم ملنے کا انتظار کرو۔ اس طرح سیرت کی کتابوں میں بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رہنے سے منع نہیں کیا ہے، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے مدینہ ہجرت کر جانے اور مدینہ کے اسلامی ریاست بن جانے کے بعد بھی مہاجرین حبشہ وہاں سات سال رہے، اور ساتویں سال غزوہ خیبر کے موقع پر مدینہ آئے اس موقع آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم، میں آج خیبر کی فتح پر زیادہ خوش ہوں یا جعفر طیار کے آنے پر زیادہ خوش ہوں۔[۱۳]

۱۰۔ مسلم، کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، حدیث نمبر: ۸۶۸

۱۱۔ مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۸۳۲

۱۲۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری کتاب الجهاد، باب الدعاء للمشرکین بالهدی لیتألفهم، حدیث نمبر: ۲۹۳۷

۱۳۔ طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر باب ما اسند جعفر حدیث نمبر: ۱۴۸۷

مسلم سوسائٹی میں غیر مسلم حضرات مذہبی تشخص اور آزادی کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور مسلم سوسائٹی میں رہنے والے غیر مسلموں کو برابر درجے کے حقوق حاصل ہوتے ہیں، اگرچہ وہ ذمی کہلاتے ہیں، لیکن بنیادی تمام حقوق میں وہ مسلمانوں کے برابر ہوتے ہیں اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی انہیں آزادی ہوتی ہے، تو جس طرح مسلم سوسائٹی میں ایک غیر مسلم رہ سکتا ہے اسی طرح غیر مسلم سوسائٹی میں مسلمان رہ سکتے ہیں یعنی دونوں صورتوں میں مشترکہ رہائش کا تصور سامنے آتا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات: غیر مسلموں سے تعلقات کے سلسلے میں قرآن کریم کی دو آیت بڑی اہم ہے، جس میں تعلقات کی نوعیت پر بنیادی گفتگو کی گئی ہے۔

لَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ۔ اِنَّمَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَاَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَظٰهَرُوۡا عَلٰٓى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ‌ ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ [۱۴]

اللہ تم کو ان لوگوں سے نہیں روکتا جنھوں نے دین کے معاملات میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تم کو تمہارے گھر سے نہیں نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور تم ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔ بیشک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ بس تمہیں ان لوگوں سے منع کرتا ہے جو دین کے معاملے میں تم سے لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

ان دونوں آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات، دوستی، حسن سلوک وغیرہ کے اصول بیان کر دیے ہیں، آیت میں اللہ تعالی نے ان غیر مسلموں کے ساتھ جو مسلمانوں کے درپے آزار نہیں ہیں، جن سے ہماری لڑائی نہیں ہے اور نہ ہمارے مسلمانوں کو تکلیف پہونچاتے ہیں، ان کے ساتھ برادرانہ احسان کرنے سے منع نہیں کیا ہے، آیت میں دو لفظ ہے ایک ''بر'' ہے اور دوسرا ''قسط''، قسط کے معنی عدل وانصاف کے ہیں اور ''بر'' کے معنی احسان اور حسن سلوک کے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد سب سے زیادہ والدین کا حق اور درجہ بیان کیا ہے وہاں بھی یہی ''بر'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ معنی ومفہوم کے اعتبار سے عدل سے بڑا لفظ ہے، اس لیے کہ عدل میں انسان اپنا حق وصول کرتا ہے اور دوسرے پر ظلم نہیں کرتا اور ''بر'' یہ ہے کہ انسان اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے، دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ دوستی اور تعلقات سے منع کیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ قتل وقتال کرتے ہیں، ان کو اپنے

وطن سے نکالتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ مطلق دوستی سے قرآن نے منع نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے اخلاق سے پیش آنے، ان کے ساتھ معاملات کرنے، ان کے ساتھ کھانا کھانے وغیرہ امور کی اجازت ہے۔[۱۵] غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات، عمدہ اخلاق کے مظاہرہ کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ غیر مسلم اسلام کے عمدہ اخلاق سے متاثر ہوں گے اور اسلام کی دعوت کو ان تک پہونچانا آسان ہوگا اور بداخلاقی یا نفرت کا اثر یہ ہوگا کہ وہ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے اور یہ عمل اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گا۔ آپؐ کی سیرت پر نظر ڈالیں تو غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات کی نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے اس لیے کہ آپؐ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تھی اور آپؐ گھبرا کر گھر تشریف لائے تو اس موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا:

انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف و تعين على نوائب الحق۔[۱۶]

آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرتے ہیں، آپ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

آپؐ کے یہ صفات جن کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اظہار کیا ہے، ظاہر ہے کہ ان کا مظاہرہ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ نہیں، بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ کیا ہے، اسی طرح جب آپؐ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ صبح کفار کی جو امانتیں ہیں ان کو واپس کر کے ہمارے پاس مدینہ آ جانا، یہ امانتیں کفار کی تھیں جو آپؐ کے راستے میں کانٹیں بچھاتے تھے لیکن آپؐ نے یہ سلوک کیا ہے کہ ہر ایک امانت کی واپسی کا نظم کیا اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی ۔ اس سے بھی غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات کی نوعیت پر واضح روشنی پڑتی ہے۔[۱۷]

تشبہ کا حکم: اسلام ایک جامع نظام حیات ہے اور فطری طور پر دین کے علاوہ معاشرت کے بھی اصول فراہم کرتا ہے، اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلام کا رنگ نمایاں ہو اور مسلمان اسلامی طرز معاشرت پر نازاں وفرحاں ہو اس لیے کہ اسلامی تہذیب خود اپنی شناخت کی حامل ہے دیگر اقوام سے مستعار و

۱۴۔ القرآن الکریم، الممتحنۃ: ۸۔۹

۱۵۔ قرضاوی، محمد یوسف فتاوی معاصرۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۲۰۰۳ء ۳/۶۸۹

۱۶۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری: باب کیف کان بدأ الوحی، حدیث نمبر: ۳

۱۷۔ خالد سیف اللہ رحمانی، مجموعہ مقالات۔ قرآن اور عصر حاضر، الہدی پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ب۔ت۔ ص ۷

مستفاد تہذیب نہیں ہے۔مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں :

> اسلامی تہذیب اپنی ذات و جوہر میں خالص اسلامی ہے اور کسی غیر اسلامی مؤثر کے اثر کا اس میں ذرہ برابر دخل نہیں ہے، البتہ عرضی امور میں عربی ذہنیت ،عربی روایات اور ماقبل اور مابعد کی تہذیبوں کے اثرات ضرور داخل ہوگئے ہیں۔عمارت میں ایک چیز تو اس کا نقشہ،اس کا مخصوص طرز تعمیر،اس کا مقصد اور اس کے نقش و نگار، اس کی زینت و آرائش ہے اور یہ ایک جزوی و فروعی چیز ہے پس جہاں تک اصل و اساس کا تعلق ہے اسلامی تہذیب کا قصر کلیۃ اسلام کی اپنی تعمیر کا نتیجہ ہے اس کا نقشہ اس کا اپنا ہے، کسی دوسرے نقشے کی مدد اس میں نہیں لی گئی ہے اس کا طرز تعمیر خود اسی کا ایجاد کردہ ہے کسی دوسرے نمونے کی نقل اس میں نہیں لی گئی ہے اس کا مقصد تعمیر نرالا ہے کوئی دوسری عمارت اس مقصد کے لیے نہ اس سے پہلے تعمیر کی گئی اور نہ اس کے بعد۔[18]

مسلمانوں کے لیے اسلامی تہذیب و روایات کی پاسداری اہمیت کی حامل ہے،ایک مسلمان جو کہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتا ہے، قرآن کو کتاب ہدایت مانتا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا ہادی و پیغمبر اور اسوہ و قائد سمجھا ہے اس کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اسلامی تہذیب کے علاوہ غیروں کی تہذیب کو اختیار کرے، یہ چیز اس وقت اور زیادہ بری ہو جاتی ہے کہ اسلامی ممالک میں جہاں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو، جہاں مسلمانوں کے طرز معاشرت پر غیروں کو رشک ہونا چاہیے وہاں کے مسلمان دوسری تہذیب کے غلام بن جائیں اور اپنے آپ کو ان کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں ،تاہم تشبہ بالغیر کے مسئلہ میں عام طور پر افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔بعض لوگ تشبہ کو بنیاد بنا کر ہر قسم کے تشبہ کو حرام اور ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ تشبہ کو اسلام کا عارضی حکم مان کر اس کو بالکل قابل توجہ نہیں سمجھتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں درمیانی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، وہ تشبہ جو کسی مذہب کا دینی شعار ہو وہ یقیناً حرام ہے، مثلاً کوئی شخص غیر مسلموں کے عید کے موقع پر کوئی ایسی چیز خریدے جسے وہ ان دنوں کے علاوہ میں نہیں خریدتا ہے یا کوئی جو کسی قوم کا مذہبی شعار ہو مثلاً زنار پہننا، یا ماتھے پر قشقہ لگانا جو کسی قوم کا مذہبی شعار ہے اس کا استعمال حرام ہوگا۔لیکن ایسی چیز جو بطور عادت کے کسی قوم میں رائج ہو اور وہ اس قوم کا مذہبی شعار نہ ہو اور نہ ہی دین سے اس کا کوئی تعلق ہو ایسی چیزیں مباح ہوں گی مثلاً مغربی لباس پہننے میں تشبہ کو حرام نہیں کہا جائے گا ہاں اگر کوئی اس بنیاد پر مغربی لباس پہنتا ہے تاکہ ان کو خوش کرے اور اپنے آپ کو ان کی تقلید کرنے والا ظاہر کرے تو اس میں کراہت پیدا ہو جائے گی۔فیصل مولوی اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

۱۸۔ مودودی، مولانا ابوالاعلی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، اسلامک پبلیکیشنز، لیمٹڈ لاہور، ب۔ت۔ص ۷

اذا كـان التشبـه بهـم فيـمـا هو من خصائص دينهم التعبدية فهو حرام و ذلك كـمـن يشتري يوم عيدهم أشياء لا يشتريها في غير تلك الايام أو يقوم باهدائهم شيـئـا خـاصا بذلك اليوم فهذا من نوع ا لتشبه المنهي عنه و يمكن أن يكون ردة اذا فعـلـه المسلم تعظيما لعيدهم و اذا كا ن الشتبه بهم فيما هو من عاداتهم التي لا علاقة لها بالدين فهو على اصل الاباحة[۱۹]

جب تشبہ ان چیزوں میں ہو جو ان کے مذہبی خصوصیات میں سے ہے تو حرام ہوگا جیسے کوئی ان کے عید کے موقع پر ایسی چیز خریدے جسے ان دنوں کے علاوہ میں نہیں خریدتا ہے یا ان کو کوئی ایسی چیز ہدیہ دیتا ہے، تو یہ ممنوع تشبہ میں سے ہے اور اگر کوئی مسلمان ان کے تہوار کی تعظیم میں ایسا کرتا ہے تو وہ مرتد بھی ہوسکتا ہے اور ایسی چیز میں تشبہ غیر مسلموں کے عادات میں سے ہو جس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو تو وہ مباح ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی نے ''سیرت مصطفیٰ'' میں لکھا ہے: عقائد و عبادات میں تشبہ اختیار کرنا کفر ہے، جیسے کافرانہ نظریات و عقائد اختیار کیے جائیں، یا ان جیسی عبادت مثلاً بتوں کو سجدہ کیا جائے تو اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور مذہبی رسومات میں تشبہ اختیار کرنا حرام ہے جیسے نصاریٰ کی طرح صلیب لٹکانا، ہندوؤں کی طرح زنار باندھنا وغیرہ یہ سب حرام ہے اور عادات و معاشرت اور قومی شعار میں تشبہ اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر یہ شعار اس قدر عام ہو جائے کہ اس کا استعمال دوسری اقوام میں بھی عام ہو جائے اور ہر طرح کے لوگ اس کا استعمال کرنے لگیں اور تشبہ باقی نہ رہے تو محض تشبہ کی وجہ سے کراہت کا حکم نہیں ہوگا۔ اور مباح ایجادات و انتظامات میں تشبہ اختیار کرنا مباح ہے۔[۲۰]

اس سلسلے میں ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان دارالحرب میں یا غیر مسلم ملک میں ان کے ظاہری کاموں کی مخالفت پر مامور نہیں ہیں، کیوں کہ اس میں بسا اوقات ضرر ہوسکتا ہے، بلکہ کبھی ظاہری سیرت میں ان کی مشابہت مستحب یا واجب ہو جاتی ہے جب کہ اس میں کوئی دینی مصلحت ہو۔[۲۱]

غیر مسلموں کو ان کے تہواروں پر مبارک باد دینا: جہاں مسلمان اقلیت میں ہوتے ہیں اور دوسری قوم اکثریت میں ہوتی ہے، وہاں مسلمانوں کے پڑوسی غیر مسلم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ پڑھنے والے غیر مسلم ہوتے ہیں، معاملات کرنے والے غیر مسلم ہوتے ہیں۔ بسا اوقات سیاسی

۱۹۔ فیصل مولوی، المسلم مواطنا فی اوروبا، الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین، الدوحۃ، قطر، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۷

۲۰۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرت مصطفیٰ، دیوبند، کتب خانہ نعیمیہ، ۲۰۱۸ء ج ۳ ص ۳۹۸

۲۱۔ بن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس، اقتضاء الصراط المستقیم، دار عالم الکتب، بیروت، ۱۹۹۹ء، ۱/۱۷۶

عہدوں پر وہ فائز ہوتے ہیں اور کبھی برعکس بھی ہوتا ہے کہ کسی علاقے میں مسلمانوں کی بڑی اکثریت ہوتی ہے، اس لیے وہاں پر سیاسی اعتبار سے کوئی مسلمان بڑے عہدے پر فائز ہوتا ہے جب کہ وہاں اس کے ماتحت غیر مسلم بھی ہوتے ہیں، آج کل کا عرف یہ ہے کہ جس کسی کا بھی تہوار ہو تو حاکم وقت اپنے ماتحت لوگوں کو ان کے تہوار کی مبارک بادی پیش کرتا ہے، ہندوستان جیسے ملک میں عید کے موقع پر وزیراعظم اور صدر جمہوریہ عید کی مبارک بادی پیش کرتے ہیں اور اگر عید کی مبارک بادی پیش نہ کریں تو عالمی سطح پر یہ سیاست کا ایک موضوع بن جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی صوبہ کا وزیراعلیٰ یا نائب وزیراعلیٰ مسلمان ہے تو اسے بھی غیر مسلموں کے تہواروں کے موقع پر مبارک بادی دینی ہوتی ہے، ایک اسکول میں پڑھنے والے مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہوتے ہیں عید کے موقع پر اس کے غیر مسلم ساتھی اس کو عید کی مبارک باد پیش کرتے ہیں تو مسلمان بھی ہولی اور دیوالی کے موقع پر اپنے غیر مسلم ساتھی کو مبارک بادی پیش کرنی ہوتی ہے، ایک کمپنی میں کام کرنے والے مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہوتے ہیں کبھی منیجر مسلمان ہوتا ہے اور اس کے ماتحت کام کرنے والے غیر مسلم ہوتے اور کبھی برعکس ہوتا ہے کہیں مسلمان بچوں کے استاذ غیر مسلم ہیں تو کہیں غیر مسلم بچوں کے استاذ مسلمان ہوتے ہیں اور استاذ وشاگرد کے درمیان تہواروں میں مبارک بادی کا تبادلہ ایک فطری اور عرفی شئی ہے۔ تعددی سماج میں اس طرح کی بے شمار مثالیں مل جائیں گی۔

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے تہواروں میں مبارک بادی دینے کا مسئلہ اہل علم کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں مذہبی چیزوں کی تعظیم یا اس کو قبول کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ معاشرے میں رہ رہے اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کی خوشی کے موقع پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے اور اس کا تعلق اسلام کے اخلاقی تعلیمات سے ہے، اسلام اپنے ساتھ رہنے والے غیر مسلموں سے نفرت یا بدخلقی کے مظاہرے کی تعلیم نہیں دیتا ہے، بلکہ حسن اخلاق اور بھلائی واحسان کی تعلیم دیتا ہے، آپ غور فرمائیں تو قرآن سلام کے جواب میں اچھی طرح بدل دینے کا حکم دیتا ہے اگر ہمارا غیر مسلم ساتھی ہمیں عید کی مبارک بادی دیتا ہے تو اس کا اچھا بدلہ یہ ہے کہ اسے بھی اس کے تہوار کے موقع پر مبارک بادی دی جائے ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت ابن عباس کو السلام علیکم کے ذریعہ سے خطاب کیا تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اس پر بعض شاگردوں نے کہا کہ آپ نے اس کے حق میں ورحمۃ اللہ کہا؟ اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں زندگی نہیں گزارتا ہے، علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

وتتاكد مشروعية تهنئة القوم بهذه المناسبة اذا كانوا –كما ذكر السائل– يبادرون بتهنئة المسلم بأعياده الاسلامية ،فقد أمرنا أن نجازى الحسنة بالحسنة وان نرد التحية بأحسن منها أو بمثلها على الاقل كما قال الله تعالى :اذا حييتم (النساء : ٨٦) ولايحسن بالمسلم ان يكون أقل كرما وادنى حظا من حسن الخلق من غير ه المفروض أن يكون المسلم هو الأوفر حظا والاكمل خلقا كما جاء فى الحديث أكمل المؤمنين ايمانا أحسنهم خلقا وكما قال ﷺ بعثت لأتمم مكارم الأخلاق [۲۲]۔

اس طرح کی مناسبت سے قوم کو مبارک بادی دینے کے جواز کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ بھی اسلامی تہواروں کے موقع پر مبارک بادی دینے میں سبقت کرتے ہیں، ہمیں اچھائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا حکم دیا گیا ہے اور تحیہ کا جواب ان سے بہتر انداز میں دینے کو کہا گیا ہے یا کم از کم اسی کے مثل جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے جب تمہیں ان کی طرف سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر انداز میں سلام کا جواب دو یا اسی کے مثل جواب دو مسلمان کے لی مناسب نہیں ہے کہ دوسرے کے مقابلے میں حسن اخلاق میں کم حصہ پانے والا ہو، بلکہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اخلاق میں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ حصہ پانے والا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے: کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں عمدہ ہو اور حضورؐ نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

جب کہ بعض علماء ہند اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں ان کے نزدیک مبارک بادی دینا ایک قسم کی تعظیم کا پہلو رکھتا ہے اور غیر مسلموں کے تہواروں کی تعظیم درست نہیں ہے چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے فتوی میں بھی اسی پہلو کو راجح قرار دیا گیا ہے۔[۲۳]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر مسلموں کے تہواروں کے موقع پر جو ہمارے قریب ہیں یا ہمیں تہوراوں پر مبارک بادی دیتے ہیں ان کو مبارک بادی دی جائے یا نہ دی جائے اس میں اختلاف ہے لیکن غیر مسلموں کے تہواروں کو اپنے پاس منعقد کرنا اور منانا جیسے کرسمس منانا یا ہولی کے تہوار منانا یہ درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان کے تہواروں کو منانا اس میں شرکت کرنا یہ ان کے عقائد ونظریات سے

۲۲۔ قرضاوی، محمد یوسف، فتاوی معاصرة: ۳/۶۹۰

۲۳۔ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، فتویٰ نمبر: ۱۰۳۔۱۲۱　۲/۱۴۳۸=L

اتفاق اور قبول کرنے جیسا ہوگا جو درست نہیں ہے۔[۲۴]

تحفہ وتحائف اور عیادت وتعزیت: غیر مسلموں کو ان کے تہوار کے موقع پر ان کی طرف سے تحفہ وغیرہ قبول کرنا بھی درست ہے اس لیے کہ آپؐ نے غیر مسلموں کے تحفوں کو قبول کیا ہے، ایک یہودیہ نے زہر آلود گوشت ہدیہ دیا جسے آپ نے قبول کرلیا اور تناول فرمایا۔ آپؐ نے ملک ایلہ کا ہدیہ قبول کیا اور مقوقس نے آپ کو باندی کا ہدیہ بھیجا ہے اس لیے تہواروں کے موقع پر بھی ہدیہ کا لین دین درست ہے اس لیے کہ تہواروں کے موقع پر ہدیہ کا لین دین اس تہوار کی تعظیم یا اس عقیدہ کو قبول کرنا نہیں ہے، بلکہ سماجی تعلقات کو بحال کرنے کا ایک عنوان اور ظاہری تعلقات کی بقا کی علامت کے طور پر ہے۔

اسی طرح غیر مسلموں کی عیادت اور تعزیت بھی تعددی سماج میں پر امن معاشرے کی تشکیل کا ضامن ہے اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا ہے بخاری کی حدیث ہے کہ ایک یہودی غلام آپ ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا جب وہ بیمار ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے،[۲۵] اسی طرح آپ چچا ابوطالب کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس طرح کی روایتوں سے حضرات فقہاء نے غیر مسلموں کی عیادت کا جواز پیش کیا ہے۔ اسی طرح تعزیت کے لیے جانے کی بھی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ فتاوی شامی میں ہے: جار یهودی أو مجوسی مات ابن له أو قريب ینبغی ان یعزیه و یقول اخلف الله خيرا منه و اصلحك وكان معناه اصلحك الله بالاسلام[۲۶] یہودی یا مجوسی پڑوسی کا انتقال ہوجائے تو مناسب ہے کہ اس کی تعزیت کے لیے جائے اور یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور آپ کی حالت کو بہتر بنائے یعنی اسلام کے ذریعہ آپ کی حالت کو بہتر بنائے۔

۲۴۔ مفتی سلمان منصور پوری، کتاب النوازل، زکریا بک ڈپو، دیوبند، ۲۰۱۶ء، ۲/۲۵۲

۲۵۔ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات فهل یصلی علیه

۲۶۔ فتاوی شامی، زکریا بک ڈپو، دیوبند ۱۹۹۸ء، ۵/۲۴۷

تصحیف وتحریف کی ایک نادر مثال

(''دُرّ المجالس'' کے مصنف کے نام کے حوالے سے)

ڈاکٹر عارف نوشاہی

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد

naushahiarif@gmail.com

تحریر اور تدوین کے فن میں ''تصحیف'' اور ''تحریف'' کی اصطلاحیں عام ملتی ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو لغت نگاروں نے دونوں کی تشریح لکھی ہے۔ 'لغت نامۂ دہخدا' میں عربی، فارسی قدیم و جدید فرہنگوں اور متون سے اور 'اردو لغت (تاریخی اصول پر)' میں اردو متون سے اس کی اسناد پیش کر کے وضاحت کی گئی ہے۔ ان فرہنگوں سے جو مطلب اخذ ہوتا ہے اس کے مطابق:

تصحیف ہم جنس یا ہم شکل لفظوں کے پڑھنے لکھنے یا کتابت میں غلطی کرنا، اصل عبارت کو بدل دینا، نقطوں کا مقام بدل کر نیا لفظ اور نیا معنی مراد لینا، نقطوں کو بڑھا یا گھٹا کر لفظ کو بدلنا۔ بوستان سعدی کے اس شعر میں بوسہ اور توشہ کی مثال سے تصحیف واضح ہے:

مرا بوسہ گفتا بہ تصحیف دِہ کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

• تحریف کسی عبارت کی اصل حالت، وضع اور طرز میں کلی طور پر کمی بیشی کر دینا، ایک لفظ کے بجائے دوسرا لفظ لکھ دینا، اپنی خواہش کے مطابق کسی لفظ یا عبارت کو بدل دینا۔

ادب کی تاریخ میں ایسی نظیر کم ہے کہ کسی شخص کے نام کی تصحیف و تحریف اس کثرت اور تنوّع سے ہوئی ہو جتنی ایک کتاب ''دُرّ المجالس'' کے مصنف کے نام کی ہوئی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اسی مثال کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہ شاید ادب کے عام قاری کی دل چسپی کا مسئلہ نہ ہو، لیکن بطورِ فہرست نگار مجھے اس سے دل چسپی رہی ہے اور فن تدوین سے سروکار رکھنے والوں کے لیے بھی یقیناً اس کا مطالعہ دل چسپ ہوگا۔

•••

انبیا، صحابہ، مشائخ اور اسلامی مقدس مقامات، مہینوں کے فضائل وخصائص اور بعض اخلاقی سجایا کے بیان اور حکایات پر مشتمل ایک فارسی کتاب دُرّ المجالس قدیم زمانے سے فارسی قلمرو میں متداول اور مقبول رہی ہے۔ بعض نسخوں اور فہرستوں میں اس کا نام "دُرّ مجالس"[1] یا "دُرر مجالس" بھی ملتا ہے۔[2] ایک نسخے میں ناموں کی مذکورہ ترکیب سے بالکل مختلف نام "سُلم الانبیا" آیا ہے۔[3] گنج بخش کے ایک نسخے (ش ۱۸۹۲) کے ترقیمے میں کاتب نے کتاب کا نام "دور مجالس" لکھا ہے اور ایک دوسرے نسخے (ش ۹۳۵۷) کے ترقیمے میں "درالمجلس" لکھا ہے۔اس کتاب کے نسخے برّصغیر، وسطی ایشیا اور دنیا کے دیگر اہم کتب خانوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ چنانچہ:

- پاکستان میں ایک محتاط اندازے کے مطابق اس کتاب کے ۱۳۴ نسخے موجود ہیں۔[4] ان میں سے ۵۴ نسخے صرف کتب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد میں ہیں۔[5] دوسرے نسخے جو دیکھے گئے ہیں:
- ہندوستان میں اب تک ۱۰۶ نسخوں کی شناخت ہوچکی ہے۔ان میں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ۱۲ نسخے ہیں۔
- ایران میں ۳۵ نسخوں کی نشان دہی ہوئی ہے۔
- انگلستان، لندن انڈیا آفس میں ۱۰ نسخے موجود ہیں۔
- تاجکستان، دوشنبہ کے انسٹی ٹیوٹ آثار خطی تاجکستان میں ۱۱ نسخے ہیں۔ ان میں سے ۹ نسخے راقم کے مطالعے میں آئے ہیں۔ان میں ایک قدیم نسخہ مکتوبہ ۸۵۸ھ بھی ہے۔
- ازبکستان: تاشقند کے ابوریحان بیرونی اورینٹل انسٹی ٹیوٹ کے مخزن حمید سلیمان میں ۹ نسخے اور ایک ترکی چغتائی ترجمہ ہے۔تاشقند کے ایک نجی ذخیرے بابرامین اف میں ۷ نسخے میرے مطالعے میں آئے ہیں۔

۱۔ نسخہ گنج بخش، ش ۱۸۹۲ء، کاتب نے دیباچے میں درمجالس اور ترقیمے میں دَور مجالس لکھا ہے۔

۲۔ ریوا: ۴۴

۳۔ ایتھے، ۱۸۸۴ء

۴۔ مصطفیٰ درایتی، فہرستوارہ نسخہ ہای خطی فارسی شبہ قارہ (زیرطبع)

۵۔ تسبیحی: ۲۵۹-۲۶۰؛ کتب خانہ گنج بخش کے ایک کارکن نے بتایا کہ کتب خانے میں درالمجالس کے اس وقت تک کل ساٹھ نسخے جمع ہوچکے ہیں۔

- تاتارستان (روسی فیڈریشن) کی قازان یونیورسٹی میں ۵ نسخے ہیں۔

- کتاب کے فارسی متن کی برّصغیر پاک و ہند میں اب تک دس اشاعتیں سامنے آ چکی ہیں۔ قدیم ترین اشاعت مطبع محمدی، لاہور بہ اہتمام فقیر اللہ وعبدالعزیز ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء ہے۔ یہ کتاب ۱۹۰۵ء میں قازان، تاتارستان سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

- اس کتاب کا چغتائی ترکی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ملا رحمان قلی القاری المدرسی اور ملا سید نذر بیگ بن دولت نذر بیگ کے دو الگ الگ ترجمے موجود ہیں۔ رحمان قلی کا ترجمہ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء میں خوارزم (ازبکستان) کے حاکم محمد رحیم خان (۱۸۶۴-۱۹۱۰) کے حکم پر کیا گیا۔

ہمیں کسی مصدّقہ مآخذ سے مصنف کا سال وفات[۶] یا زمانۂ حیات معلوم نہیں اور نہ ہی کتاب میں سال تصنیف کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن کتاب کا زمانۂ تصنیف ساتویں صدی ہجری کا پہلا نصف بتایا گیا ہے۔[۷] اب تک اس کتاب کا جو قدیم ترین نسخہ دستیاب ہے وہ پشاور یونیورسٹی، پاکستان (شمارہ ۳۴۵) میں، مکتوبہ جمادی الثانی ۷۱۱ھ ہے۔[۸] اگر یہ تاریخ درست ہے تو کتاب کی تصنیف کا زمانہ یقیناً اس سے پہلے ہے۔ انسٹی ٹیوٹ شرق شناسی وآثار خطی تاجکستان، دوشنبہ کے نسخۂ نمبر ۱۲۲۲ کی تاریخ کتابت ۸۵۸ھ ہے۔[۹] کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد کے ایک نسخے (شمارہ ۹۴۷۴) پر ۱۰ جمادی الثانی ۹۴۴ھ تاریخ کتابت موجود ہے۔[۱۰] خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے نسخے کی تاریخ ۹۷۸ھ ہے۔[۱۱] مفتی کلیکشن نیشنل

۶۔ امجد علی، ۱: ۲۳۱-۲۳۲ نے چھ مقامات پر بلا تحقیق مصنف کا سال وفات ۴۴۰ھ درج کیا ہے اور ایک جگہ موجود در ۱۰۶۲ھ لکھ دیا ہے۔

۷۔ منزوی، ۴: ۲۳۲۱

۸۔ منزوی، ج ۴، ص ۲۳۲۱؛ منزوی کی فہرست کے لیے یہ نسخہ پشاور کے پروفیسر امتیاز حسین صاحب نے دیکھا اور انھی کے بیان پر منزوی نے انحصار کیا ہے۔

۹۔ تاجکستان، ۳: ۸۰؛ اس نسخے کا عکس راقم السطور کے پاس ہے، اس کا ترقیمہ اس طرح ہے: تمام شد این کتاب درالمجالس در تاریخ ششم ماہ ذی قعدہ ۸۵۸ کتبہ فقیر الحقیر نذر محمد ابن دوست محمد البخاری۔

۱۰۔ منزوی، ج ۴، ص ۲۳۲۲

۱۱۔ خدا بخش لائبریری جرنل، پٹنہ، شمارہ ۲، سال ۱۹۷۷ء، ص ۱۷ حصہ انگریزی

آرکائیوز آف پاکستان اسلام آباد میں نسخے (شمارہ اخلاق ۱۵) کی تاریخ ۹۹۱ھ ہے۔[۱۲] ان چند قدیم تاریخوں کا ذکر اس لیے ضروری تھا کہ معلوم ہوسکے کہ کتاب آٹھویں صدی ہجری سے پہلے کی تصنیف ہے۔

کتاب کے مصنف نے دیباچے میں حمد ونعت، چار یار اور امامین حسنین کی مدح لکھی ہے لیکن کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد کے نسخہ شمارہ ۸۳۴۰ کے کاتب محمد شریف والد [کذا] ملا قریش آخوند زادہ نے اس کے بعد اپنی طرف سے امام اعظم ابوحنیفہ کی مجمل اور شیخ عبدالقادر گیلانی کی مفصل مدح کا اضافہ کیا ہے، لیکن باقی نسخوں میں ایسا نہیں ہے۔ گنج بخش، ش ۵۱۱۴ جس کی کتابت ماوراء النہری ہے اور سال کتابت بعد میں ۱۱۴۹ھ بڑھایا گیا ہے، اس کے دیباچے میں بھی چار یار کے ناموں کا اضافہ کیا گیا ہے اور کاتب نے مستغفر الی الغنی الباری لکھنے کے بعد مصنف کا نام چھوڑ دیا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ کاتب نے اپنی مرضی کے مطابق اس کتاب میں تصرفات بھی کیے ہیں۔

کتاب کا اسلوب واعظانہ ہے۔ کتاب کے باب سی ویکم میں امام حسن وامام حسین کا مقتل بھی مجلسی انداز کا ہے۔ مصنف نے خود دیباچے میں صراحت کی ہے اس کی عمر ''بندگان دین وخداوندان یقین'' کی مجلس میں بسر ہوئی اور وہاں سے جو کچھ حاصل ہوا اس کتاب میں جمع کیا۔ کہیں کسی کتاب کا حوالہ یا استناد نظر نہیں آتا۔ کتاب کی تحقیقی حیثیت نہ ہونے کے باجود اس کا ذکر فارسی کی دینی تواریخ کے ذیل میں ملتا ہے جیسا کہ ایران کے معروف ادبی مورّخ ذبیح اللہ صفا (۱۹۱۱-۱۹۹۹) نے اس کا ذکر کیا ہے۔[۱۳]

فہرست نگار کی حیثیت سے جو مسئلہ میرے پیش نظر ہے، وہ اس کتاب کے مصنف کے نام اور نسبت کا درست تعیّن ہے۔ عام طور پر مصنف کا نام ''سیف ظفر نوبہاری'' لکھا ملتا ہے۔ لیکن اس کتاب کے جو نسخے میں نے بچشم خود دیکھے ہیں یا دیگر فہرستوں میں اس کا اندراج نظر سے گذرا ہے، وہاں ہر جگہ مصنف کے نام، نسبت مکانی اور بعض جگہ والد کے نام میں بھی واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ میرے پیش رَو اور معاصر فہرست نویسوں نے بھی نام اور نسبت کی مسخ شدہ صورتوں کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔[۱۴] یہ اختلاف اس کے باوجود ہے کہ مصنف کا نام اور نسبت (بطور لفظ) اتنے غیر مانوس نہیں کہ کاتب سمجھ نہ سکے ہوں۔ سیف، ظفر، نوبہاری تینوں بالکل سیدھے سادے الفاظ ہیں لیکن

۱۲۔ آرشیوص ۳۳۹

۱۳۔ صفا، ۵: ۱۵۸۱

۱۴۔ منزوی ۲۳۲۱:۴، بہرامیان ۲۱:۱، ایتھے ۱۸۸۲، بلوشہ ۳۹۷:۱ فاطمہ کشاورز ۳۴۸

کاتبوں نے اسے طرح طرح سے لکھا اور بگاڑا ہے۔اس احتمال کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ نسخوں میں درج نام کو فہرست نویسوں نے بھی قدرے مختلف پڑھ کر فہرست میں درج کیا ہو اور اس طرح اختلاف میں کثرت پیدا ہوئی ہو۔

کچھ نسخے ایسے بھی نظر سے گذرے ہیں جن میں مصنف کا دیباچہ تو نقل ہوا ہے لیکن مصنف کا نام نہیں ہے، جیسے نسخہ دوشنبہ شمارہ ۵۸۲ کے مقدمے کی عبارت اس طرح ہے: ''می گوید کہ بندہ گناہ کارو امیدوار از رحمت پروردگار المستغفر الی الغنی البدری [کذا] کہ عمر این کمینہ۔'' یہی وجہ ہے کہ تاجکی کتابدار نے نسخے کی جیب میں تعارفی کارڈ پر مصنف کا نام البدری لکھا گیا ہے، جب کہ یہ لفظ ''الباری'' ہے۔ دوشنبہ تاجکستان کے دو نسخے (۲۶۰۰ اور ۴۵۲۰) ایسے بھی راقم کی نظر سے گذرے ہیں جن میں کاتب نے مقدمہ بالکل حذف کر کے فہرست ابواب سے کتاب شروع کی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب کے مختلف نسخوں یا فہرستوں میں مصنف کے نام کی کیا شکل اور املا رہی ہے۔ہم مضمون کے اس حصے میں حوالوں کے مخففات کا استعمال موقع پر ہی کریں گے۔ش سے مراد شمارہ ہے۔آخر میں ان مخففات کی وضاحت درج کر دی گئی ہے۔ناموں کی ترتیب الفبائی ہے۔

حضرت سیف نو بہاری (نسخہ برلن، ش ۱۰۱۹ بحوالہ کیٹلاگ، ص ۹۸۰-۹۸۱)

سبقت ظفر نور بہاری (نسخہ گنج بخش، ش ۴۴۱۵ اروریت عکس)

سعدالدین احمد بن محمد نو بہاری (نسخہ کتب خانہ رشیدیہ، لاہور، منزوی ۴: ۲۳۲۳)

سعید احمد بن محمد نو بہاری (نسخہ صاحبزادہ حمید اللہ چمن، نوشاہی ۱: ۵۳۹؛ گنج بخش، ش ۴۸۰، منزوی ۴: ۲۳۲۷؛ نسخہ حبیب اللہ خان بنوں، منزوی ۴: ۲۳۲۷)

سعید بن محمد بوتہاری (نسخہ مقرب الدین پنڈ دادن خان، نوشاہی ۱: ۵۴۰)

سعید بن محمد نو بہاری (نسخہ معظم خان ڈیرہ اسماعیل خان، نوشاہی ۱: ۵۳۹؛ نسخہ مولوی جہاں زیب پنڈ دادن خان، منزوی ۴: ۲۳۲۶؛ نسخہ مولانا رب نواز بھلوال، منزوی ۴: ۲۳۲۵)

سف نظر بخاری (نسخہ دوشنبہ، ش ۲۶۸۱، رویت عکس)، نسخے میں سیف کی بجائے سف لکھا ہے۔

سیدالظفر بن بربانک (نسخہ بابرامین تاشقند، ش ۸۵، تاشکند)

سید جلال الدین (نسخہ انڈیا آفس، ۱۸۸۶، اتیھے ۱۸۸۲)

سید ظفر بوتھاری (نسخہ خیر پور پبلک لائبریری، منزوی ۴: ۲۳۲۳)

سید ظفر نو بہاری (نسخہ جھنڈیر، نوشاہی ۱: ۵۴۰؛ نسخہ گنج بخش، ش ۱۳۷۷۳ روایت عکس، اس نسخے میں کاتب نے دیباچہ بالکل مختصر کر دیا ہے)

سید ظفر نور بہاری (نسخہ مجلس شورای اسلامی تہران، ۱۴۲۴۸ روایت عکس)

سید مظفر ابو بہاری (نسخہ سری نگر، ش ۲۹۴۰، علامہ اقبال لائبریری، مسلسل نمبر ۴۸۹)

سیف التفیر نو بہارسی (نسخہ علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن فارسیہ مذہب ۹۵، عطا خورشید)

سیف الدین اوتھاری (نسخہ گنج بخش، ش ۳۵۲۹ روایت عکس؛ مطبوعہ مطبع قادری لاہور ۱۲۹۹ھ، شبہ قارہ ۲: ۱۳۹۵؛ مطبوعہ شیخ الٰہی بخش ومحمد جلال الدین، لاہور، ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء روایت عکس)

سیف الدین پوتھوہاری (گنج بخش ۹۶۹۰، منزوی ۴: ۲۳۲۷)

سیف الدین ظفر بہاری (نسخہ مولوی اللہ دین نظامی چشتیاں، منزوی ۴: ۲۳۲۶؛ نسخہ شیرانی لاہور ش ۱ء ۲۷۳، ۲۳۷۸، منزوی ۴: ۲۳۲۶؛ نسخہ عطاالرحمان کھوکھر جھاوریاں، منزوی ۴: ۲۳۲۶؛ نسخہ آستان قدس رضوی مشہد، ش ۴۰۵۴۱، فنخا: ۴۷۴؛ نسخہ مولوی شمس الدین لاہور، منزوی ۴: ۲۳۲۸؛ نسخہ علی گڑھ، ش SM172 / 1 امجد علی ۱: ۲۳۱؛ عطا خورشید)

سیف الدین ظفر نو بہاری (نسخہ لائیڈن، ایتھے، ۱۸۸۲؛ نسخہ علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن فارسیہ مذہب نمبر ۳۳ ویونیورسٹی کلکشن فارسیہ مذہب نمبر ۱۰۹، عطا خورشید؛ امجد علی، ۱: ۲۳۱-۲۳۲

سیف الدین قراضہ نو بہاری (نسخہ کراچی میوزیم، ش ۲۲-۸-۱۹۷، موزہ ۳۰۲)

سیف الدین محمد (نوشاہیہ، ۴۲)

سیف الدین محمد بوتہا (نسخہ گنج بخش، ش ۱۵۱۸ روایت عکس، کاتب نے بوتہا کے بعد 'اولا' بھی لکھا ہے لیکن اسے خط زد کر دیا ہے گویا کاتب نے پہلے سیف الدین محمد بوتہا اولا لکھا تھا۔

سیف الدین محمد بوتہای (نسخہ گنج بخش، ش ۱۶۱۸۹ روایت عکس، کاتب نے مقدمہ مختصر کر کے لکھا ہے)

سیف الدین محمد پوتہاری (نسخہ علی گڑھ، ش SM105 / 5؛ عطا خورشید)

سیف الدین محمد پوتھوہاری (نسخہ کتب خانہ نوشاہیہ، منزوی ۴: ۲۳۲۵)

سیف الدین محمد موتہاری (نسخہ علی گڑھ، ش SM105 / 5؛ امجد علی، ۱: ۱۳۲)

سیف الدین محمد نو بہاری (نسخہ گنج بخش ،ش ۶۶۴۷ رویت عکس ،منزوی ۴: ۲۳۲۲)

سیف الدین مظفر نو بہاری (نسخہ گنج بخش ،ش ۱۳۵۲۶ رویت عکس)

سیف الدین نو بہاری (نسخہ گنج بخش ،ش ۱۵۱۸، منزوی ۴: ۲۳۲۶)

سیف الظفر بخاری (نسخہ سبط الحسن ضیغم لاہور، منزوی ۴: ۲۳۲۶)

سیف الظفر بن برہان (پنجاب یونیورسٹی لاہور، ش Pi IX 48، پنجاب ۱: ۳۳۱؛ نسخہ بایر میونخ، بیاض سفر، ۳۸۴؛ نسخہ کتب خانہ لینن، ش ۱۹، بہرامیان، ۲۱؛ نسخہ دوشنبہ، ش ۱۲۲۲ رویت عکس؛ نسخہ دوشنبہ، ش ۲۲۴۷ رویت عکس؛ نسخہ گنج بخش ،ش ۶۲۰۲ رویت عکس ، کاتب نے یوں لکھا ہے: سیف الظفر ابن برہان کہ محمد عمر بندہ در مجلس بزرگان ... ؛ نسخہ گنج بخش ،ش ۱۲۸۹۹ سیف الظفر ابن برہاک کہ عمر بندہ در مجلس بزرگان.

سیف الظفر بن برہان الدین عمرو (تاجکستان، ۳: ۸۰)

سیف الظفر بن برہان الدین نو بہاری (نسخہ دوشنبہ، ش ۵۰۷۸، تاجکستان، ج ۲، ص ۱۳۹)

سیف الظفر ساری برہان (نسخہ تاشکند ،ش ۳۷۵، رویت عکس)

سیف الظفر سو بخاری (نسخہ آرشیف کابل، ش ۹۸ برا، افغانستان، ۲: ۱۵۰)

سیف الظفر نو بہاری (نسخہ دیال سنگھ لاہور، ش ۲۷۴، منزوی ۴: ۲۳۲۵؛ نسخہ انڈیا آفس لندن، اتھے، 1762,31؛ برٹش میوزیم لندن، ریو ا: ۴۴؛ نسخہ علی گڑھ ،ش AL78/78 امجد علی، ا: ۲۳۲؛ تاجکستان، ۳: ۸۰؛ بلوشہ ا: ۳۹۷)

سیف المظفر بن برہان (نسخہ مفتی کلیکشن ، آرکائیوز اسلام آباد، ش اخلاق ۱۵، آرشیو، ۳۳۹؛ نسخہ گنج بخش، ش ۱۲۴۴۷؛ نسخہ ویلکم لندن ش Per286A، فاطمہ کشاورز: 348)

سیف المظہر (نسخہ کراچی میوزیم، ش ۱۸۷ -۱۹۶۲، موزہ، ۳۰۱؛ نسخہ کراچی میوزیم، ش ۲۴ - ۱۹۷۲، موزہ ۳۰۲)

سیف طرفر قہّاری (نسخہ علی گڑھ عبدالسلام کلکشن ۸/ ۸۷، عطا خورشید)

سیف ظفر بخاری (نسخہ دار الکتب قاہرہ، ش ۵۳ تصوف فارسی طلعت، طرازی ا: ۱۳۸؛ نسخہ دانشگاہ استنبول، IUK.FY.923، توفیق سبحانی، ۴۲۳؛ قازان، ا: ۲۲۱)

سیف ظفر برہان (نسخہ علی گڑھ آفتاب کلکشن ۶/ ۱۷، عطا خورشید)

سیف ظفر بن برہان (نسخہ گنج بخش، ش ۶۹۰، منزوی ۴: ۲۳۲۳)

سیف ظفر بوتھاری/ بوتہاری (نسخہ بابر امین تاشقند، ش ۸۷، تاشکند؛ نسخہ گنج بخش، ش ۲۰۴۲ رویت عکس؛ نسخہ گنج بخش، ش ۱۶۰۰۰ رویت عکس؛ نسخہ گنج بخش، ش ۱۶۶۵۷ رویت عکس؛ نسخہ دوشنبہ، ش ۴۵۰۹ رویت عکس)

سیف ظفر بولجہاری (نسخہ محمد شمیم پشاور، منزوی ۴: ۲۳۲۴ و ۲۳۲۷)

سیف ظفر بہادر (لاہور میوزیم، منزوی ۴: ۲۳۲۸)

سیف ظفر بہاری (نسخہ انڈیا آفس لندن، ایتھے ۱۸۸۲؛ نسخہ گنج بخش، ش ۵۰۴)

سیف ظفر پوتواری (گنج بخش، ش ۸۳۴۰ رویت عکس، منزوی ۴: ۲۳۲۷)

سیف ظفر توتھاری (مطبوعہ مطبع محمدی لاہور، ۱۲۹۳ھ، شبہ قارہ ۲: ۱۳۹۵)

سیف ظفر نو بہاری:

رامپور، ۲: ۱۸۱؛

نسخہ علی گڑھ قطب الدین کلکشن، ۱۷/ ۳؛ یونیورسٹی کلکشن فارسیہ مذہب ۲۹۳، عطا خورشید؛

نسخہ کراچی میوزیم، ش ۱۰۰۵-۱۹۶۱، موزہ، ۱۰۳؛ نسخہ کراچی میوزیم، ش ۳۶۷-۱۹۶۹، موزہ، ۳۰۱؛

نسخہ گنج بخش ۲۴۷ رویت عکس، منزوی ۴: ۲۳۲۵؛

نسخہ گنج بخش، ش ۱۹۲۳، منزوی ۴: ۲۳۲۶؛

نسخہ گنج بخش، ش ۲۱۹۹، منزوی ۴: ۲۳۲۵؛

نسخہ گنج بخش، ش ۲۸۱۵، منزوی ۴: ۲۳۲۴؛

نسخہ گنج بخش، ش ۳۵۶۷ رویت عکس، منزوی ۲۳۲۴؛

نسخہ گنج بخش ۶۸۳۳، رویت عکس؛

نسخہ گنج بخش، ش ۹۳۵۷، منزوی ۴: ۲۳۲۶؛

نسخہ گنج بخش، ش ۹۴۱۹ رویت عکس، منزوی ۴: ۲۳۲۳؛

سیف ظفر نور بہاری (نسخہ گنج بخش، ش ۱۶۵۹۹، رویت عکس)

سیف ظفری بخاری (نسخہ بابر امین تاشقند، ش ۶۳ و ۱۴۵، تاشکند)

سیف مظفرالدین نو بہاری بخاری (نسخہ گنج بخش، ش ۱۶۳۶۵ روایت عکس، غلط نویس کاتب نے سیف کو سف اور الدین کو الذین لکھا ہے، ہم نے اسے سیف مظفرالدین سمجھا اور لکھا ہے)

سیف مظہر بخاری (نسخہ دانشگاہ استنبول IUK.FY.813، توفیق سبحانی، ۸۱۳)

سیف نظر بخارایی (نسخہ دوشنبہ، ش ۲۶۸۱/۱، تاجکستان، ۳:۸۲)

سیف وظفر نور لونہاری (نسخہ گنج بخش، ش ۱۹۲۳)

سیوفی ظفر بوشہاری (نسخہ کراچی میوزیم، ش ۸۷-۱۹۶۲، موزہ ۳۰۲)

شیخ ظفر بخارایی/ شیخ ظفر بخاری (نسخہ دوشنبہ، ش ۱۶۳۴، روایت عکس و تاجکستان ۳:۸۱؛ نسخہ بابر امین تاشقند، ش ۴۰، تاشکند)

شیخ ظفر حسینی (نشریہ ۹:۵۰)

شیخ مظفر بخارایی (نسخہ دوشنبہ، ۱۶۶/۱، تاجکستان، ۳:۸۱)

شیخ مظہر بخاری (نسخہ دوشنبہ، ش ۱۶۶ روایت عکس)

ظفر بونہاری (نسخہ گنج بخش، ش ۱۱۶۷۹)

ظفر بہاری (نسخہ دانشگاہ پشاور، شمارہ ۵۱۰، منزوی ۴: ۲۳۲۲؛ نسخہ پنسلوینیا یونیورسٹی، ش Lweis-o-189، روایت عکس)

ظفر نو بہاری (نسخہ علی گڑھ سبحان اللہ کلکشن ۵۵۲۶/۱، ۸۹۱ء، عطا خورشید)

محمد سیف ظفر نوبہاری (نسخہ بودلیان کیمبرج، شمارہ Ms.S.DigboyOr65 (www.fihrist.org.uk)

مظفرالدین بوتھاری (نشریہ ۹:۶۴)

ہدایت ظفر بہاری (نسخہ پشاور یونیورسٹی ش ۳۷، منزوی ۴: ۲۳۲۸)

یوسف اظفر بن البرہان عمر (نسخہ راشد برہان پوری سندھ یونیورسٹی، ش ۲۶۶۲۲، نوشاہی ۱: ۵۴۰)

یوسف الظفر الباری (الباری لکھ کر اسے خط زد کر دیا گیا ہے) ابن برہان عمر (نسخہ گنج بخش، ش ۱۵۸۹۲ روایت عکس)

یوسف ظفر ابوطاہر (نسخہ آستان قدس رضوی مشہد، ش ۴۰۵۵۰، فنخا ۵۷۴: ۱۴)

یوسف ظفر نو تیاری (نسخہ اسلامیہ کالج پشاور، ش ۱۰۱۷، منزوی ۴: ۲۳۲۸)

حاصل کلام:

یہ جائزہ چند محدود نسخوں اور چیدہ چیدہ فہارس کی بنیاد پر انجام پایا ہے، اگر مزید نسخوں اور فہرستوں کو دیکھا جائے تو ممکن ہے نام کی کئی اور شکلیں بھی سامنے آئیں۔ موجودہ جائزے میں ہم نے دیکھا کہ زیادہ تر نسخوں میں ''سیف ظفر نو بہاری'' لکھا ہے۔ اب تک دریافت شدہ قدیم ترین مخطوطے (پشاور یونیورسٹی) میں بھی یہی نام آیا ہے۔ کثرت رائے اور قدامت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی کہنا پڑے گا کہ مصنف کا درست نام سیف ظفر نو بہاری ہے۔ جائزے میں شواہد موجود ہیں کہ اس نام کے تینوں اجزا (سیف، ظفر، نو بہاری) کی تصحیف اور تحریف کی گئی اور شکلیں بگاڑی گئیں۔ مصنف کا نسب (ولدیت) درج کرنے میں بھی بے احتیاطی برتی گئی۔ یہ طے کرنا باقی ہے کہ مصنف کی نسبت ''نو بہاری'' اگر مکانی ہے تو یہ مقام کہاں واقع ہے؟ نو بہار نام کے دو قریے افغانستان میں ہیں، ایک ولایت قطغن میں، دوسرا افراہ کے قریب ہے۔ بلخ میں بدھ مت کے ایک ہیکل، بت خانے اور ایک آتش کدے کا نام بھی نو بہار ہے۔[۱۵] تاجکستان میں بھی اس نام سے کئی مقام ہیں۔ ان میں سے ایک جس کا سابقہ نام اُوزی کند ہے، تاجکستان کے شمال مغرب میں ولایت سُغد، ناحیہ مستچا میں واقع ہے۔ دوسری بستی تاجکستان کے جنوب مغرب میں ولایت ختلان، ناحیہ باختر میں ہے۔[۱۶] ایران میں بھی نو بہار نام سے کئی دیہات ہیں جو زیادہ تر علاقہ خراسان میں واقع ہیں۔[۱۷] یقیناً جنوبی اور وسطی ایشیا میں اس نام سے قدیم زمانے میں یا اب بھی کچھ بستیاں موجود ہوں گی۔ ہم قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے مصنف کا تعلق کس نو بہار سے ہے۔

تشکّرات واجب: جناب ڈاکٹر عطا خورشید نے آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری اور ڈاکٹر شکیلہ رفیق نے کتب خانہ گنج بخش اسلام آباد کے نسخوں میں درج مصنف کے نام کی کیفیت سے آگاہ کیا۔ اس کے لیے ان کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

۱۵۔ قاموس ۴: ۱۸۵۶، برہان قاطع بذیل نو بہار

۱۶۔ تاجکستان میں نو بہار کے بارے میں اطلاعات فاضل دوست ڈاکٹر شادی محمد صوفی زادہ (دوشنبہ) کی فراہم کردہ ہیں۔

۱۷۔ ان سب کا ذکر 'فرہنگ جغرافیائی ایران' میں نو بہار کے تحت ملتا ہے۔

فہرست مآخذ (بتصریح مخففات)

افغانستان: فہرست نسخ خطی آرشیف ملی افغانستان، محمد اعظم افضلی، محمد انور نیر، جلد۲، بخش اول، کابل، ۱۳۶۴ش

امجد علی (مرتّب): فہرست مخطوطات مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، ج ۱ (عنوان وار)، ۲۰۱۹ء

ایتھے: Catalogue of the Persian Manuscripts in the Library of the Indian Office, by Hermann Ethe, Vol.1 Oxford,1903

آرشیو: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی آرشو ملی پاکستان، اسلام آباد (گنجینہ مفتی فضل عظیم بھیروی)، عارف نوشاہی، تہران، ۲۰۱۲ء

برہان قاطع (فرہنگ)، محمد حسین بن خلف تبریزی، بہ تصحیح محمد معین، تہران

بلوشہ: Catalogue des Manuscripts Persian de la Bibliotheque Nationale, E. Blochet, Paris, 1905

بہرامیان: فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ دولتی روسیہ (لینن) علی بہرامیان، بخش اول، تہران، ۲۰۰۰ء

بیاض سفر: بیاض سفر، ایرج افشار، تہران، ۱۳۵۴ش

تاجکستان جلد دوم: فہرست نسخہ ہای خطی انستیتو آثار خطی تاجیکستان، زیر نظر سید علی موجانی، امر یزدان علی مردان، علی بہرامیان، جورا بیگ نذریف، تہران ۱۳۷۷ش

تاجکستان، جلد سوم: فہرست نسخہ ہای خطی انستیتو شرق شناسی و آثار خطی تاجیکستان (شہر دوشنبہ)، زیر نظر علی بہرامیان وسید علی موجانی، بہ کوشش امر یزدان مردان، یونس کرامتی، قدرت ایلچی بیگ، بشیر باقمورلی، تہران ۱۳۷۹ش

تاشکند: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی مجموعہ بابرامین، تاشکند، تالیف عارف نوشاہی (چاپ نشدہ)

توفیق سبحانی: توفیق ہاشم پور سبحانی وحسام الدین اق سو، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی کتابخانۂ دانشگاہ استانبول، تہران ۱۳۷۴ش

رامپور: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی کتابخانۂ رضا رامپور، ج ۲، رام پور، ۱۹۹۷ء

رویت عکس: گنج بخش اسلام آباد یا دیگر کتب خانوں کے وہ نسخے جن کا عکس میں نے خود دیکھا ہے۔

ریو: Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, by Charles Rieu, Vol.1 London, 1879

شبہ قارہ: کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ (ہند، پاکستان، بنگلادش)، عارف نوشاہی، تہران، ۲۰۱۲ء

صفا: تاریخ ادبیات در ایران، ذبیح اللہ صفا، جلد پنجم، بخش سوم، تہران، ۱۳۷۰ش

طرازی: **فهرس المخطوطات الفارسية الت تقتنا دار الكتب حتى عام ۱۹۶۳م**، نصراللہ مبشر الطرازی، قاہرہ، ۱۹۶۶ء

عطا خورشید: مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ۱۲ نسخوں کو خود دیکھ کر مصنف کے نام کی مجھے بذریعہ برقی مکتوب اطلاع دی۔

علامہ اقبال لائبریری: فہرست مخطوطات علامہ اقبال لائبریری، سری نگر، کشمیر، ہینڈلسٹ بزبان انگریزی، مصنف ندارد، انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

فاطمہ کشاورز: A Descriptive and Analytical Catalogue of Persian Manuscripts in the Library of Welcome Institute for the History of Medicine, by Fateme Keshavaraz, London, 1986

فنخا: فہرستگان نسخہ ہای خطی ایران، بہ کوشش مصطفیٰ درایتی، تہران، ۱۳۹۰ش

قازان: فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ دانشگاہ قازان جمہوری تا تارستان فدراسیون روسیہ، جلد نخست، بہ کوشش عنایت اللہ فاتحی، سید بابک فرزانہ، نژادآ لسوار سلانوا، نوریہ گاریوا، تہران، ۱۳۸۲ش

قاموس: قاموس جغرافیائی افغانستان، انجمن آریانا دایرۃ المعارف افغانستان، کابل، ۲۰۱۴

مصطفیٰ درایتی: فہرستوارہ نسخہ ہای خطی فارسی شبہ قارہ، بہ کوشش مصطفیٰ درایتی، موسسہ الجواد، مشہد (زیر طبع)

منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، احمد منزوی، اسلام آباد، جلد چہارم، ۱۹۸۵

موجانی: فہرست نامگوی نسخ خطی مخزن حمید سلیمان انستیتو شرق شناسی ابوریحان بیرونی ازبکستان، بہ کوشش سید علی موجانی، قم، ۱۳۷۷ش

موزہ: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزۂ ملی پاکستان کراچی، عارف نوشاہی، مرکز تحققاست فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

نجدت طوسون Turkistan Dervisleninden Yadigar: Necdet Tosun، استنبول، ۲۰۱۷،

نشریہ: نسخہ ہای خطی، دفتر نہم، زیر نظر محمد تقی دانش پژوہ، تہران، کتابخانۂ مرکزی و مرکز اسناد دانشگاہ تہران، ۱۳۵۸ش

نوشاہی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، عارف نوشاہی، میراث مکتوب، تہران، ۲۰۱۷ء

نوشاہیہ: فہرست مخطوطات کتاب خانہ نوشاہیہ، عارف نوشاہی، مشمولہ ''کتاب شناسی'' ۳، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

خواجہ میر دردؔ کی فارسی شاعری

محمد رضا اظہری
ریسرچ اسکالر، شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
reza.azhari100@gmail.com

میر درد کا شمار شعرائے اردو کے صف اول میں ہوتا ہے۔تمام تذکرہ نگاران کا ذکر احترام سے کرتے اور ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ معاصرین بھی ان کی خوبیوں کے قائل ہیں۔میرؔ فرماتے ہیں:''در چمن شعرش لفظ رنگین چمن چمن گل چین خیال و راگل معنی دامن دامن شاعرزور آور ریختہ، درکمال علاقگی وارستہ'' سوداؔ دہلی سے لکھنؤ جا بسے ہیں مگر دہلی والوں میں ان کو کسی کی یاد آتی ہے تو میر دردؔ کی۔میر حسن ان کی تعریف کرنے کے بعد کہتے ہیں:''دیوانش اگر چہ مختصرست لیکن چون کلام حافظ سراپا سخن'' مگر سچ پوچھئے تو شاعری ان کے کمالات گوناگوں کے گلزارِ پُر بہار کا صرف ایک پھول ہے۔وہ ایک صوفی باصفا ،ایک عالم تبحر،ایک مصنف عالی رتبہ، کتاب وسنت کے حامل، عربیت و ادبیت میں کامل اور عربی و فارسی نظم ونثر پر پوری طرح قادر تھے۔جیسا کہ ان کی تصانیف سے ظاہر ہے۔دراصل خیامؔ وغیرہ کی طرح ان کی شاعری کی شہرت ان کے تمام کمالات پر غالب آ گئی۔

خواجہ میر دردؔ ایک طرف تو اردو شاعری کے حسن و جمال کو سنوارنے والے عناصر اربعہ یعنی میرزا مظہر جان جاناںؔ ،میر تقی میرؔ اور میرزا محمد رفیع سوداؔ کے ہم رکاب ہیں اور دوسری طرف بحر تصوف کے شناور کی حیثیت سے اردو شاعری میں بھی ان کو ممتاز ترین حیثیت حاصل ہے۔لہٰذا آپ کی شاعری کو پرکھنے کے لئے اور صحیح معنوں میں اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں سے واقفیت بہم پہونچائی جائے۔سلسلہ تصوف اور نظریات وعقائد کی روشنی میں ان کی ذہنیت کا تجزیہ کیا جائے اور پھر ان کی شاعری کے محرکات اور عام میلانات کی تلاش کی جائے۔

جیسا کہ شروع میں ہی کہا گیا کہ تمام تذکرہ نگاروں اور جدید نقادوں نے ان کی انفرادیت کو تسلیم کیا ہے اور شاعرانہ عظمت ،صوفیانہ مرتبہ، فہم وذکا،لب ولہجہ کی پاکیزگی ،حقیقت طرازی ،کلام کی دل

آویزی، کیف واثر، معنی آفرینی، بلند خیالی اورزبان کی شستگی اور شگفتگی کا اعتراف کے ساتھ ان کی مستقل مزاجی، متانت، بردباری اور بزرگی کے سب مداح ہیں۔مثلاً خان آرزؔو آپ کو ’’صاحب فہم وذکا‘‘ کی سندعنایت کرتے ہیں (مجمع النفائس)۔مصحفی آپ کو’’جامع جمیع علوم غریبہ‘‘تسلیم کرتے ہیں (تذکرہ ہندی)۔میر حسن ان کے کلام کو’’مثل کلام حافظ شیرازی سراپا انتخاب‘‘ بتاتے ہیں (تذکرۂ شعرائے اردو)۔لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی ان کے کلام کو’’سخنش درد آمیز وشعرش شور انگیز ست‘‘ کا رتبہ دیتے ہیں (چمنستان شعرا)۔قائم آپ کو’’نور چراغ کعبہ و بت خانہ دودِ دل پروانہ‘‘ کا خطاب عطا کرتے ہیں (تذکرہ مخزن نکات)۔سید فاتح علی حسینی گردیزی ان کو’’ازشعرای ممتاز زمانہ است ودرسخن گوئی یگانہ است‘‘ کے لقب سے یاد کیا ہے (تذکرہ ریختہ گویان)۔صاحب تذکرہ گل ابراہیم ان کو ’’شہسوار معرکہ سخنوری‘‘ سمجھتے ہیں۔مبتلا نے’’مرکز دائرہ اہل کمال، سخن سنج نکتہ رس شیرین مقال‘‘ بتایا ہے (تذکرہ گلشن سخن)۔سید نورالحسن خان کا بیان ہے کہ’’زبان شستہ دارند و بیان دل ربا وکلام ایشان برقبولی خاص است‘‘ (تذکرہ طور کلیم)۔شیفتہ کا فیصلہ ہے کہ’’فکرش صحیح ونظمش فصیح، گفتارش از رکاکت واغلاط پاک‘‘ (گلشن بی خار)۔میر غلام حسین شورش عظیم آبادی کا مطالعہ ہے کہ’’درفصاحت و بلاغت و ادابندی یگانہ روزگار است‘‘۔صاحب تذکرہ عشقی آپ کو’’جرعہ نوش خم خانہ ازل، سرمست بادہ فیض لم یزل‘‘ کی صفات سے متصف کرتے ہیں۔

قدیم تذکرہ نگاروں کی طرح جدید اہل تحقیق نے بھی اعتراف عظمت میں کمی نہیں کی۔مثال کے طور پر امیر مینائی کو ان کے کلام میں’’پسی ہوئی بجلیوں‘‘ کا گمان ہوا۔مولوی عبدالسلام کو محسوس ہوا کہ جس زمانے میں اردو شاعری اردو شاعری ہوئی، خواجہ میر درد نے سب سے پہلے اس زبان کو صوفیانہ خیالات سے آشنا کیا (شعرالہند)۔مولانا عبدالحی صاحب نے تجزیہ کیا کہ تصوف اور اخلاق کی چاشنی کے اعتبار سے ان کا کلام میرؔ اور مرزؔا کے کلام سے زیادہ دلاویز ہے (گل رعنا)۔عظمت اللہ خان ان کو’’صوفیانہ شاعری کا باوا آدم‘‘ قرار دیتے ہیں۔حبیب الرحمٰن خان شیروانی کا قول ہے’’درد کی غزلیں، زبان کی سادگی اور صفائی میں میرؔ کے کلام کا مزہ دیتی ہے اور تصوف کی چاشنی اور درد واثر کے اعتبار سے ان سے بڑھی ہوئی ہیں‘‘ (مقدمہ دیوان ادب)۔رام بابو سکسینہ کا خیال ہے’’ان کا کلام سوز وگداز سے مملو ہوتا ہے۔زبان اور ادب اردو کے لحاظ سے خواجہ صاحب ایک نمایاں اور ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ان کے کلام نے یہ ایک اور اضافہ کیا کہ تصوف اور روحانیت کی چاشنی سے اس میں چار

چاند لگا دیئے''[۱]۔

احوالِ میر درد: خواجہ میر درد کی ذات میں شخصی کمالات واوصاف اور خاندانی فضائل وخصائص کا نہایت خوش گوار امتزاج ملتا ہے۔تذکرہ نگاروں نے انھیں بارہویں صدی ہجری کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام میں شمار کیا ہے اوران کے خاندان کی ثروت، سیادت، شرافت اور نجابت کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔خواجہ میر درد نجیب الطرفین تھے اوران کو اپنی نعمت کا گہرا احساس تھااور وہ اسے اپنے اور اپنے خاندان کا طرہ امتیاز اورنشان فضیلت سمجھتے تھے۔وہ ''علم الکتاب'' میں لکھتے ہیں کہ: ''آباءواجداد پدری و مادری الی انفسنا و ذریاتنا ونسائنا وھمہ اطراف ایشان سادات صحیح النسب و ذوات رفیع الحسب بودہ اند وھستند۔۔۔۔۔غرض کہ اوصاف ظاھری و باطنی بزرگان خودتا کجا نگارم کہ بہ فضل الٰھی حدی و نہایتی ندارد وھم منجر بہ خودستایی نہ گردد واحتمال افتخار نشود۔''

خواجہ میر درد ماں اور باپ دونوں طرف سے صحیح النسب سادات بنی فاطمہ میں سے تھے۔نسب باپ کی طرف سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی اور ماں کی طرف سے حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہونچتا ہے۔اس کا ذکر ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب نے رسالہ ''ہوش افزا'' میں کیا ہے۔جہاں ایک بزرگ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ''شما از مادر وپدر صحیح النسب بنی فاطمہ وسید حسینی ھستید کہ سیادت ونجابت شما از آفتاب وماھتاب منور تر است۔از جانب پدر از نبیرہ ھای قدوۃ العرفای خواجہ ھا حضرت بہاء الدین المعروف بہ نقشبند ھستید واز طرف والدہ از نبیسہ ھای محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی می شوید[۲]۔''

دادا گیارہ واسطوں سے حضرت بہاء الدین نقشبندی کی اولاد میں سے تھے اور خود حضرت کا تیرہ واسطوں سے حضرت امام حسن عسکری کے فرزندوں میں شمار ہوتا تھا۔''حضرت بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ العزیز کہ از سادات صحیح النسب اند و بہ یازدہ واسطہ جد پدری بندہ اند،حضرت خواجہ بہ سیزدہ واسطہ فرزند امام عسکری ھستند و ما بہ بیست وپنج واسطہ باقی یازدہ ائمہ بہ ترتیب آباءواجداد ند[۳]۔''اس قول کے مطابق میر درد امام حسن عسکری کی پچیسویں پشت میں ہیں۔''میخانۂ درد'' میں ناصر نذیر فراؔق نے دردؔ کا شجرہ حضرت آدم تک اس طرح مرتب کیا ہے:

۱۔ رام بابو سکسینہ: مترجم مرزا محمد عسکری، تاریخ ادب اردو، ادارہ کتاب الشفا، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء ص ۶۹

۲۔مرتبین: ثاقب صدیقی وانیس احمد، خواجہ میر درد: تنقیدی وتحقیقی مطالعہ، ناشر ثاقب صدیقی وانیس احمد، دہلی ۱۹۹۳ء، ص ۴۹۔۵۰

۳۔خواجہ حمید یزدانی: خواجہ میر درد کی فارسی شاعری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۴۳

۱۔میر درد ۲۔عندلیب ۳۔ظفر اللہ خان ۴۔فتح اللہ خان ۵۔محمد طاہر ۶۔عوض بخاری ۷۔سلطان احمد ۸۔خواجہ میرک ۹۔سلطان احمد ثانی ۱۰۔قاسم ۱۱۔شعبان ۱۲۔عبداللہ ۱۳۔زین العابدین ۱۴۔بہاء الدین نقش بند ۱۵۔خواجہ عبداللہ ۱۶۔جلال الدین بخاری ۱۷۔کمال الدین بخاری ۱۸۔حسین ملقب بہ محبوب ۱۹۔سید حسین اکبر ۲۰۔سید عبداللہ ۲۱۔فخر الدین ۲۲۔عمود رومی بن یلاق ۲۳۔سید حسین مقبول ۲۴۔سید حسین احمد تقی ۲۵۔سید عبداللہ ۲۶۔سید محمد جامع ۲۷۔سید علی اکبر ۲۸۔امام حسن عسکری ۲۹۔امام علی نقی ۳۰۔امام محمد تقی ۳۱۔امام موسی رضا ۳۲۔امام موسی کاظم ۳۳۔امام جعفر صادق ۳۴۔امام محمد باقر ۳۵۔امام زین العابدین ۳۶۔امام حسین شہید کربلا ۳۷۔علی مرتضی ۳۸۔ابوطالب ۳۹۔عبدالمطلب ۴۰۔بن ہاشم ۴۱۔بن مناف ۴۲۔بن قصی ۴۳۔بن کلاب ۴۴۔بن مُرہ ۴۵۔بن کعب ۴۶۔بن لوی ۴۷۔بن غالب ۴۸۔بن مالک ۴۹۔بن نضر ۵۰۔بن کنانہ ۵۱۔بن حزیمہ ۵۲۔بن مدرکہ ۵۳۔بن الیاس ۵۴۔بن مضر ۵۵۔بن نزار ۵۶۔بن معد ۵۷۔بن عدنان ۵۸۔آدو ۵۹۔بن الیسع ۶۰۔بن ملت ۶۱۔بن ثابت ۶۲۔بن سلیمان ۶۳۔بن حمل ۶۴۔بن قیدار ۶۵۔بن اسماعیل ۶۶۔بن ابراہیم ۶۷۔بن آذر ۶۸۔بن تارخ ۶۹۔بن ناجور ۷۰۔بن سروع ۷۱۔بن ارغو ۷۲۔بن قالع ۷۳۔بن عابر ۷۴۔بن تارخ شارخ ۷۵۔بن ارفحد ۷۶۔بن سام ۷۷۔بن نوح ۷۸۔بن مالک ۷۹۔بن میوسلخ ۸۰۔بن ادریس ۸۱۔بن یزد ۸۲۔بن مہلیل مہلائیل ۸۳۔بن قینان ۸۴۔بن انوش ۸۵۔بن شیث ۸۶۔بن حضرت ابوالبشر آدمؑ [۴]۔

ولادت: خواجہ محمد ناصر عندلیب کے دوسرے بیٹے تھے۔ والد محترم کی عمر کے ستائیسویں سال میں نوزدہم ذیقعدہ ۱۱۳۳ھ کو خواجہ میر درد کی ولادت ہوئی۔ نانا میر سید حسینی نے نام خواجہ میر تجویز کیا۔ درد خود لکھتے ہیں: ''چنانچہ این اسم فقیر کہ خواجہ میر است وقت تولد بندہ والد بزرگوار والدۂ سید العارفین حضرت پیر سید محمد حسین قادری ۔۔۔۔ گذاشتہ اند۔'' (خواجہ میر درد کی فارسی شاعری؛ خواجہ حمید یزدانی، ص ۵۵)

بچپن اور ابتدائی تعلیم کے بارے میں انہوں نے کچھ تفصیلی حالات نہیں لکھے۔ عام تذکرے بھی اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ ناصر نذیر فراق نے کچھ حالات ''میخانۂ درد'' میں لکھے ہیں۔ ان میں افسانوی رنگ آمیزی زیادہ ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی یہی لکھا کہ علوم رسمیہ اور متداولہ وغیرہ انہوں نے والد سے حاصل کئے ہیں اور یہ کہ مفتی دولت سے کچھ عرصہ مثنوی پڑھی اور خود درؔد کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے ایما پر مختلف علوم حاصل کئے۔ ''بہ موجب ایمای جناب اقدس آں حضرت (یعنی ناصر) در وسط جوانی

۴۔قدیر احمد: خواجہ میر درد اور ان کا ذکر و فکر، ناشر شگفتہ نسرین، دہلی ۲۰۰۴ء ص ۳۶-۳۷

کسب علوم از عقائد و معقولات و اصول و تصوف وغیرہ بہ قدر ضرورت نمودہ ام [۵]۔"

تلامذہ: مولانا عبدالسلام ندوی نے "شعر الہند" میں ان کے متعدد تلامذہ کا ذکر کیا ہے جو خود استادان سخن کا مرتبہ رکھتے تھے، مثلاً:

۱۔قائم چاند پوری: اگرچہ یہ میرزا سودا کے شاگرد تھے لیکن انہوں نے خواجہ صاحب سے بھی اصلاح لی تھی ۲۔ہدایت اللہ خان ہدایت ۳۔حکیم ثناء اللہ فراق ۴۔میر محمد اثر: خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی جن سے درد کو بے حد الفت تھی۔۵۔طپش ۶۔میر محمدی بیدار: میر نے ان کو مرتضیٰ قلی بیگ کا شاگرد کہا ہے۔۷۔محمد پناہ خان نثار ۸۔میر حسن: اردو کے مشہور ہجو نگار میر غلام حسین ضاحک کے فرزند۔۹۔حکیم آغا جان عیش بیدار کے شاگرد مجرم کے تلامذہ میں تھے۔۱۰۔شیخ محمد بقاء اللہ بقا: حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے۔۱۱۔جھمن لال: اردو وعربی اور فارسی میں مہارت رکھتے تھے۔ ۱۲۔ بھکاری داس عزیز ۱۳۔لال مکندر لال حضورؔ: ان کو عربی، فارسی اور اردو کے صرف ونحو پر عبور تھا۔ ۱۴۔لالہ نرائن داس: دلی کے مہاجن خاندان سے تھے۔۱۵۔میرزا محمد جان: فارسی اور اردو کے شاعر تھے۔شاہی ملازمت میں تھے۔۱۶۔علی نقی محشر ۱۷۔جنوں ۱۸۔میر کلو شاعر ۱۹۔جوشش [۶]۔

تصانیف: شعر وسخن میں درد کی قدر ومنزلت سے ایک دنیا واقف ہے، لیکن شاعری کے علاوہ بہت کم حضرات واقف ہیں کہ آپ نہ تنہا فارسی کے مشہور ومعروف شاعر تھے بلکہ بلند پایہ ادیب بھی تھے۔فارسی دیوان کے علاوہ تصوف اورادب فارسی میں وہ بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ان کی چند قلمی یادگاریں اسی حقیقت کی شاہد ہیں جیسے: ۱۔اسرار الصلاۃ ۲۔واردات درد ۳۔علم الکتاب ۴۔نالۂ درد ۵۔آہ سرد ۶۔درد دل ۷۔شمع محفل۔ان کا مختصر تعارف ذیل میں دیا جاتا ہے:

۱۔اسرار الصلوٰۃ: خواجہ صاحب کی سب سے پہلی تصنیف پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔یہ رسالہ انہوں نے صرف پندرہ سال کی عمر میں رمضان کے مہینے میں اعتکاف کی حالت میں لکھا تھا۔اس میں نماز کے سات ارکان کی تشریح مختلف دلائل کے ساتھ کی گئی ہے۔رسالہ سات ابواب پر مشتمل ہے جو اسرار کہلاتے ہیں۔جو نماز کے ارکان کی اہمیت سے واقف کراتے ہیں۔

۲۔واردات درد: یہ کتاب ۳۹ سال کی عمر میں پایۂ تکمیل کو پہونچی۔پوری کتاب ایک سو گیارہ

۵۔خواجہ حمید یزدانی: خواجہ میر درد کی فارسی شاعری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۳ء ص ۵۶

۶۔قدیر احمد: خواجہ میر درد اور ان کا ذکر وفکر، ناشر شگفتہ نسرین، دہلی، ۲۰۰۴ء، ۱۴۹-۱۶۴

واردات کا مجموعہ ہے یعنی ایک سو گیارہ فارسی رباعیوں کی تشریح ہے۔

۳۔علم الکتاب: یہ کتاب ان کی سب سے ضخیم اور ہمہ صفت تصنیف ہے۔ یہ ایک سو گیارہ رسائل پر مشتمل ہے، اصلاً واردات درد کی ایک سو گیارہ واردات کی یہ مفصل شرح ہے۔

۴۔ان تصانیف کے علاوہ ''نالہ ٔ درد'' ''آہ سر'' ''درد دل'' اور ''شمع محفل'' یہ رسائل اربعہ کے نام سے مشہور ہیں جن کی ترتیب تصنیف اس طرح ہے: نالہ ٔدرد پہلا رسالہ ہے جو ۱۱۹۰ھ میں تکمیل کو پہونچا۔ آہ سرد دوسرا رسالہ ہے جو ۱۱۹۳ھ میں پورا ہوا۔ دردِ دل ۱۱۹۴ھ میں اس کا آغاز ہوا۔ چوتھا رسالہ شمع محفل ہے جو دردِ دل کے ساتھ شروع ہوا تھا لیکن ۱۱۹۹ ھ میں اختتام پذیر ہوا۔ یہ چاروں رسالے ایک ہی طرز میں لکھے گئے۔ یہ کل ۳۴۱ فصلوں پر مشتمل ہیں جو ان کے پدر بزرگوار کے اسم ''ناصر'' کے اعداد ہیں۔

ان کتابوں کی ہر فصل ان کے کسی ایک فارسی شعر، رباعی یا بند کی شرح ہے۔ اور یہ ان کے سلسلۂ تصوف کی کسی نہ کسی مسئلہ کی وضاحت کرتی ہے۔ یعنی یہ فارسی کلام کی شرحیں ہیں اور دوسری طرف ان کے عقائد ونظریات اور تصوف وسلوک کی بھی ترجمان ہیں۔

خواجہ میر درد کی شاعری کے موضوعات: دردؔ صوفی تھے، لیکن صوفی شاعر نہیں تھے۔ اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ خواجہ صاحب کی زندگی صوفیانہ تھی مگر ان کی شاعری تصوف کی روایت کا حصہ نہ تھی، وہ غزل کی اس طاقتور روایت کا حصہ تھی جس کی نمائندگی اس زمانے میں میر تقی میرؔ کر رہے تھے۔ درد کی بعض غزلوں میں اور کچھ اشعار میں صوفیانہ خیالات کی جھلک موجود ہے، لیکن ایسی جھلکیاں کہاں نہیں ملتیں؟ خود میرؔ کے کلام سے اس کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں حالاں کہ میر نہ صوفی تھے نہ عابد وزاہد۔

اس بحث میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ صحیح معنوں میں صوفیانہ شاعری فارسی میں ملتی ہے مثلاً رومی، سنائی، عطار اور سحابی کی شاعری تصوف کے اعلیٰ خیالات کا آئینہ خانہ ہے۔ یہ لوگ حقیقی معنی میں صوفی بھی تھے اور صوفی شاعر بھی تھے۔ اردو میں اس پائے کا بلکہ ان سے کم درجہ کا کوئی شاعر موجود نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ فارسی میں صوفیانہ شاعری کے فروغ میں صنف مثنوی کو اہمیت حاصل ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شاعری میں تصوف کے وسیع خیالات اپنی پوری وسعت اور تہہ داری کے ساتھ مثنویوں میں نمایاں ہوئے ہیں۔ فارسی صوفی شاعروں کی غزلوں میں صوفیانہ خیالات سے انکار نہیں، لیکن اصل صوفیانہ خیالات اور مباحث مثنویوں میں ہی سامنے آتے ہیں۔ مثنوی بنیادی طور پر بیانیہ صنف سخن ہے اور کیسی ہی عمیق اور پیچیدہ باتیں کہی جائیں، تھوڑے سے فرق کے ساتھ مثنوی کی یہ صفت ان کی

تفصیلات کو، دوسرے اجزا کی آمیزش کے بغیر محفوظ کر لیتی ہے۔اس کے مقابلے میں،غزل میں اشاروں کی زبان ہوتی ہے اور اس کی لفظیات کی تہہ داری کسی خاص خیال کو جذب تو کر لیتی ہے، محفوظ بھی کر لیتی ہے لیکن تفصیل کی جگہ غزل کے اختصار میں اشاریت اور معنوی پہلو داری (خیال کا دہرا پن) پیدا ہو جاتا ہے۔یہی غزل کے شعر کا حسن ہوتا ہے اور اسی صفت نے صنف غزل کو ہمہ گیر بنایا ہے [۷]۔

درد ایک عملی صوفی تھے، شیخ تصوف تھے، صاحب ارشاد تھے، سالکین اور مریدین کی تربیت کا ان کو خاص سلیقہ تھا۔ان کا فارسی کلام ان کی اسی زندگی کا آئینہ دار ہے۔ان کے کلام میں تصوف و عرفان کے متعدد امور کے ذریعہ خود ان کے عقائد و نظریات کا علم بھی ہوتا ہے۔بے ثباتی دنیا، جبر و اختیار، وحدت الوجود، استغنا، جد و جہد، جنت و دوزخ کی حقیقت، وسیع المشربی، خدمت خلق، عشق حقیقی وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن پر دردؔ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۱۔وحدت الوجود: یعنی ہمہ اوست پر تصوف کی بنیاد ہے کہ اصل حقیقت ایک ہے۔تمام مظاہر اسی ایک حقیقت سے متعلق ہیں اور ہر مظہر اسی ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ذات باری کل ہے اور کل کائنات اس کا جزء۔وہ ہر جگہ موجود ہے، خواہ بت خانہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کے لئے چشم بینا شرط ہے:

ھر کجا من می روم او پیش می آید مرا — غیر او درھر دو عالم ھیچ نماید مرا

فتد ای دردؔ گر آن جا چشم بینایت — یقین دارم کہ در بت خانہ ھم نور خدا بینی

ز دیر و کعبہ ندا می رسد خدا اینجاست — بہ سوی او کشد ار باطل ست ار حق ست

۲۔طلسم ہستی: درد کا دوسرا محبوب موضوع طلسم ہستی ہے۔بڑے بڑے فلسفی اور علما اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہیں۔کوئی کہتا ہے یہ ایک سراب ہے، کوئی اسے وہم و خیال بتاتا ہے۔بقول فانیؔ:

زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا — ایک معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

وہ کہتے ہیں کہ اس طلسم سر بستہ میں ہر لحظہ ایک نیا رنگ پیدا ہوتا ہے، یہ ہستی ایک ایسا ویران کاشانہ ہے جہاں در و دیوار تو نظر نہیں آتے لیکن قفل وکلید موجود ہیں۔یہ ایک مہمل لفظ ہے جس کی تفسیر باوجود پوری کوششوں سے نہیں کی جاسکی :

ھستی ام ھیچ و حباب آسا طلسمی بستہ است — چشم ھر جا وا نمایم آسمانی دیگر ست

ھستی بی بود ما مشھود ابصار ست و نیست — ھر چہ ھست اینجا سراب آسا نمودار ست و نیست

۷۔مرتبین: ثاقب صدیقی و انیس احمد، خواجہ میر درد: تنقیدی و تحقیقی مطالعہ، ناشر ثاقب صدیقی و انیس احمد، دہلی ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۹۔۱۷۰

طلسمی بستہ ھستی کا ندرین کاشانہ ی ویران نہ دیوار و در لیکن بود قفل وکلید اینجا

۳۔حیرت: دنیائے معرفت میں حیرت وہ مقام ہے جہاں سالک درد وحسرت سے دوچار ہوتا ہے، جہاں وہ سب کچھ بھول جاتا ہےاورایک سراپا حیرانی اس پر چھائی رہتی ہے۔خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ حیرت میں بھی ایک دنیا سمائی ہوئی ہے۔ادھر چشم حیرانی کھلی ادھرایک نیا جہاں پیدا ہوا:

مثال آئینہ ای درد حیرت عالمی دارد کشادم چشم حیرانی، جھانی شد پدید اینجا

خواھی کہ شوی دوچار باجلوہ ی یار دل صاف کن و مدنظر ھیچ مدار

روپیشہ ی خود ساز تحیر ای درد چون آئینہ حیرت ست باب دیدار

۴۔وحدت وکثرت: دنیا کے مظاہر بے شمار ہیں ان کی کثرت بیان سے پرے ہے،لیکن ساری کثرت وحدت محض ہے۔صرف تکرار کے باعث یہ متعدد نظر آتی ہیں۔یعنی اصل تو توحید و وحدت ہی ہے:

بس کہ غواص بحر توحیدیم در یکتا دل یگانہ ی ماست

وحدت انشایم از بس قول وفعل ما یکی ست از خموشی می تر واد چون قلم گفتار ما

دویی گم گشتہ از پیشم چنان در خلوت وحدت کہ چشم آئینہ ھرگز ندیدہ روی تمثالم

۵۔عشق: خواجہ صاحب کے نزدیک شعلۂ عشق ہی سے باطن کی تاریکیاں چھٹ سکتی ہیں۔کوئی کہتا ہے عشق ایک آگ ہے جو عشاق کے دلوں اور سینوں میں جلی رہتی ہےاور ماسوااللہ کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔کوئی عشق کو تمام امراض کا طبیب ٹھہراتا ہے کسی نے کہا یہ ایسی وادی ہے کہ جو بھی اس میں آتا ہے غرق آتش ہوجاتا ہے۔درد کہتے ہیں کہ یہ دنیا سوز و گداز کی جگہ ہےاس لئے ایک عاشق پر شمع کی مانند پگھلنا یا پروانہ کی طرح جلنا ہی لازم آتا ہے۔اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میرے تن زار اور عشق کا آپس میں ربط ایسے ہی ہے جیسے شعلہ وخس کا :

خواھی کہ شود شب تو روشن چون روز از آتش عشق شعلہ در خود افروز

ای درد این بزم جای سوز ست و گداز بگداز چو شمع یا چو پروانہ بسوز

بہ تیغ عشق توسل گرفتن آسان نیست کہ می کنند جدا بند را ز بند آن جا

۶۔دل: مرکز سوز ودرد، آماجگاہ عشق،مرکز جلوۂ جانانہ جس سے اس ہستی ناپائدار کی رونق اور دنیائے بے ثبات کا ہنگامۂ ہاؤہو برقرار ہے،خواجہ صاحب کے نزدیک یہ وہ متاع ہے جو جتنی بھی ٹوٹی پھوٹی ہوگی، شہر عشق میں اتنی ہی وقعت کی نظروں سے دیکھی جائے گی۔لاکھ دیر وحرم کے چکر کاٹو ، جب تک خانۂ

دل کی طرف متوجہ نہ ہو گے کچھ حاصل نہ ہوگا۔دل صاف ہی اس کے جلوے کا مرکز بن سکتا ہے :

گو جام و صراحی رہ میخانہ بگیرد　　مست می عشقیم و ایاغ ست دل ما
آن برق تجلی نہ اگر آفت جان شد　　چوں شعلہ چرا گرم سراغ ست دل ما
جز خانہ ی دل کس ندھد ہیچ صدایت　　صد مرتبہ دستک بہ در دیر و حرم زن

مگر دل کی تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے۔

یہ دل خانہ خراب ہی کونین کی خرابی کا باعث ہے۔جب یہ پہلو میں ہوگا تو چین اور سکون معلوم۔سینکڑوں فتنے اسی کے برپا کردہ ہیں۔عشق کی راہوں میں سختی پیدا کرنے والا یہی کم بخت ہے مگر ان سب باتوں کے باجود اسی سے گرمیِ محفل ہے :

بہ راہ عشق مرا سخت مشکل افتادست　　کہ دل شکستہ ام و کار با دل افتادست
دل زخود رفت آن چنان آواز پای برنخاست　　ای بسا خاطر کہ بشکست وصدای برنخاست
از خوش دلی باغ جان روشن ست وبس　　ھرگہ دلی شگفت در اینجا بھار شد

۷۔ہجر ووصال: ہجر ووصال میں جو کیفیات ایک عاشق پر وارد ہوتی ہیں ان پر بھی خواجہ صاحب نے مختلف پیرایوں میں طبع آزمائی کی ہے۔محبوب سے دوری بھی بڑی ظالم شے ہے۔شب و روز بیقراری اور اضطراب میں گزرتے ہیں اور پھر نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ جس کسی کی نظر عاشق پر پڑتی ہے وہ اس کی حالت زار سے متاثر ہو کر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا:

دل از وصل محبوبی شود گر زندہ ، می باید　　بخواند فاتحہ بر دل غفران پناہ من
مراھم وعدہ ی وصل تو باری زندہ می دارد　　کہ ھرکس می نماید زندگانی بر امید اینجا
ای درد من کجا و ھمای وصال کو　　عنقا مگر بہ دام خیالی گرفتہ ام

۸۔بیخودی: خواجہ صاحب کی تعلیم میں فنائے نفس اور بیخودی کا درس بھی ہے۔بقول ان کے یہ فنائے نفس اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب علائق دنیوی سے منھ موڑ لیا جائے۔جو لوگ اپنی خودی کو نہیں مارتے وہ نفس کے غلام ہیں۔خودی کے مارنے ہی سے انسان اس ذات اقدس میں فنا ہوتا ہے اور اسے وہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔جس سے ’’من وتو‘‘ کا جھگڑا مٹ جاتا ہے۔اس کی مثال نگینے اور انگوٹھی کی سی ہے :

فنای نفس گردد حاصل از قطع علایق ھا　　دریدم چون سحر تا جیب خود را شد کفن پیدا
خالی شدیم مثل نگین بس کہ از خودی　　نام و نشان او شدہ نام و نشان ما

بیخودی پردہ کشای حرم دل باشد بستۂ احرام رهش لغزش مستانہ ما

۹۔ جبر و اختیار: جبر و اختیار وہ مسئلہ ہے جو فلسفیوں اور عارفوں کی مجلسوں میں موضوع بحث رہا ہے۔ درد بھی جبر کے قائل ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انسان با اختیار ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ انسان تو مجبور محض ہے اور جب ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں تو پھر یہ آب و دانہ کی تلاش، یہ تردد معاش اور یہ فکر و اندیشہ، سب لغو و بیہودہ باتیں ہیں۔ پھر بھی جو ان چیزوں کے لئے سرگردانی ہے تو یہ محض ''انسان'' ہونے کی وجہ سے ہے:

اتهام اختیاری نیز بر من می کنند در حقیقت دردؔ گو، بی اختیارم کرده اند

در دست خالق ست همه اختیار خلق تقریر دیگری ست چو خامه بیان ما

بی اختیاری ست درین بحر موج زن در دست هیچ کس نبود اختیار خویش

۱۰۔ احوال زمانہ کی عکاسی: حالات زمانہ کا عکس درد کے کلام کی ایک خوبی ہے۔ مثلاً ان کے زمانہ کی دلّی جس طرح انقلاب زمانہ کے مدوجزر کا شکار ہو رہی تھی، اس کا اظہار یوں کیا کہ:

دهلی که خراب کرد اکنون دهرش جاری شده اشک ها به کای نهرش

بودست این شهر مثل روی خوبان چون خط بتان بود سواد شهرش

ہر جانب قحط، بھوک اور بے روزگاری کا دور دورہ تھا۔ خواجہ صاحب کی شاعری ایسے حالات سے متاثر ہوئے بغیر کیونکر رہ سکتی تھی۔ اس دور میں محتاج وغنی سب بری حالت میں تھے:

گر مردم محتاج ز غم می گریند زان بیشتر ارباب نعم می گریند

وقت ست که از دست زمانه اکنون چون ابر همه اهل کرم می گریند

۱۱۔ دنیا کی بے ثباتی: دنیا دارِ فانی ہے، فنا ہی اس کا مقدر ہے، یہ مضمون شعراء کے ہاں پامال ہے، لیکن تعبیر کی جدت مضمون کو قیمت عطا کرتی ہے۔ میر درد نے اس موضوع کو لیا تو حباب کی تشبیہ کے ساتھ۔ ان کے نزدیک یہ سارا کاروبار جہاں حباب کی مانند ہے، اِدھر اُبھرا اُدھر ختم۔ اس بے ثباتی کا ذکر استعارے میں یوں کرتے ہیں:

به هر کجا درین بحر سر کشید حباب تباهی هستی خود در می درید حباب

به هر طرف که درین بحر رخت هستی برد ز دست موج زمانی نه آرمید حباب

چو دید این همه پرشور بحر هستی را شتاب دردؔ به کنج خزید حباب

۱۲۔ ہمت عالی: ہمت عالی، دشوار پسندی، دلیری، پامردی اور استقلال و استقامت یہ بھی تصوف صحیح کے مضامین ہیں، خودی اور خودنگری جیسے مضامین عالیہ سے تصوف کی شناسائی ہے، خواجہ صاحب نے خودطلبی اور تاب وتب پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ دل کے داغوں سے لالہ زار پیدا کرو۔ چاند نہیں تو ہالہ بن جاؤ۔ ہمت مردانہ دنیوی زیب وآسائش کی پروانہیں کرتی :

رباعی:

شو عاشق و در خود طلبی پیدا کن یعنی پی وصلش سبی پیدا کن
خورشید ندارد ز کسی جلوہ دریغ ای ذرہ برو تاب و تبی پیدا کن

رباعی:

گر گل نشدی ز داغ دل لالہ شو ور ماہ نہ ای برای خود ھالہ بشو
ای قطرہ درین جا گرہ سخت بند گر دُر نتوان گشت برو ژالہ بشو

۱۳۔ شخصیت کی عکاسی: درد کی شاعری سے خودان کا رنگ طبیعت ظاہر ہوتا ہے۔ وہ عجز وانکسار اور خاکساری کا درس دیتے ہیں۔ بقول ان کے خاکساری انسان کو ایسے بلند مقام پر لے جاتی ہے جہاں طالع بلند کی پست فطرتی کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اگر آبرو درکار ہے تو خاک نشینی اختیار کرو۔ اپنے متعلق خواجہ صاحب کہتے ہیں: ”ہم درویش اکسیر کے مانند ہیں کہ دیکھنے میں تو خاک نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں کیمیا ہیں“:

ز اندیشہ ی گذشتہ و آیندہ فارغم یکسان بود چو شمع زبس پیش و پس مرا
بس کہ ابر رحمت او شست و شویم می کند از غم تر دامنی خاطر نیالاید مرا
من بندہ ی ناکارہ و تو بخشندہ دیگر چہ کنم اگر گناھی نکنم

۱۴۔ مذمت شیخ وزاہد: دردؔ نے بے عمل زہاد و واعظین اور ریاکاروں کی بھی خبر لی ہے۔ وہ ظاہر داروں اور ریاکاروں کے اندرون سے واقف ہیں۔

این زاھد خشک ھر زمان می سازد روزی پیدا ز دانہ ھای تسبیح
زاھد تو و مدام غم سبحہ و تسبیح گہ آن گسستہ است و گھے این شکستہ است
شیخ نتواند بہ پیشم دم زند از زھد خشک آن قدر تر می کند آلودہ دامانی مرا

یہاں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ دیگر شعراء کی طرح درد متقدمین کے خوشہ چیں ہیں،

خصوصاً وہ ظہوری سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ظہوری کی بعض زمینوں اور بحروں میں غزلیں کہیں اور بعض مصرعوں پر تضمین بھی کی ہے:

ظہوری:

می رود بیرون گزند عقدہ ھا از کارما عشق می سوزد و سپند از سبحہ بر زنار ما

درد:

روی آسانی نبیند مطلب دشوار ما درد ما درمان ما، آرام ما آزار ما

ظہوری:

آباد کردن عشق تو جان خراب را در خرمن عطش زدہ برق سحاب را

درد:

افگندہ ای چرا بہ رخ خود نقاب را بی پردگی بس ست حجاب آفتاب را

ظہوری:

بہ مجلسی کہ در آیی شوم سپند آن جا سپند وار در آتش فتد گزند آن جا

درد:

بہ ھر کجا کہ نشستم شدم سپند آن جا زخویش جسم و آسودم از گزند آنجا [۸]

شعری خصوصیات: خواجہ میر درد کی شاعری اس دور میں پروان چڑھی جب شاعری عہد جہانگیری کی شاعری کے برخلاف ایک ردعمل نظر آتی تھی، اس لیے ان کے کلام میں کہیں کہیں عالمگیری دور کی شاعری کی بھی جھلک نظر آتی ہے جو مشکل قافیوں، ردیفوں اور تمثیلی انداز کی صورت میں ان کے یہاں موجود ہے۔ مثلاً ذیل کی دو غزلیں ملاحظہ ہوں:

تنھا خاطر فلک از کین شکستہ است چون گل ھزارھا دل رنگین شکستہ است

بر ھر سری کہ داغ جنونت قدم نھاد طرف کلہ بہ خوشہ ی پروین شکستہ است

آن کس کہ دست یافت بہ ملک غنای دل پای طلب بہ گوشہ ی تسکین شکستہ است

ز بس از شوق دیدار تو شد گرم بیان چشم سراپا شمع سان گردید در محفل زبان چشم

چو عینک چشم من ھر چشمی را چشمی دگر بخشد بہ چشم مردمان نبیند اینجا مردمان چشم

۸۔ خواجہ حمید یزدانی: خواجہ میر درد کی فارسی شاعری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۳ء ص ۱۵۲-۱۵۹

گذشتنهای مردم بس که نصب العین خود دارم	بُود ای درد گویا نقش پای رفتگان چشمم

ا۔ تمثیل: یعنی تمثیل اہل فن کے نزدیک استعارہ کے متعلقات میں سے ہے۔ شاعر پہلے تو کوئی دعویٰ کرتا ہے پھر اس کو واضح یا ثابت کرنے کے لئے کوئی شاعرانہ دلیل پیش کرتا ہے۔ جیسے:

رشتہ را پس ندھد آن کہ گہر می گیرد کلیم	می پذیرند بَدان را بہ طفیل نیکان

خواجہ صاحب کا تمثیلی انداز اس قسم کا ہے :

در رگ ابر نیشتر نزنند	چشم زخمی بہ چشم تر نرسد
سیماب نگشت کشتہ از خنجر و تیغ	بر اهل گداز دستِ ظالم نرسد
در چشم آئینہ نبود راہ خواب را [9]	اهل صفا دوچار بہ غفلت نمی شوند

۲۔ سہل ممتنع: خواجہ صاحب کے کلام میں سہل ممتنع کا جلوہ عام ہے۔ اس سادگی کے باوجود پرکاری ایک ایسی تاثیر ہے جو پڑھنے والے کے دل پر اپنا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ چھوٹی بحروں نے ان اشعار میں اور حسن پیدا کیا ہے:

خشک سازد چشم دریا را	تر کند گریہ ی من صحرا را
این نمی آید کہ فهمانند آن جانانہ را	می کند هر کس نصیحت ها منِ دیوانہ را
دل برداشتہ از دنیا را	بر سر کوی کسی می فگنم

۳۔ موسیقی: دردؔ کے حالات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ موسیقی میں انھیں عبور حاصل تھا۔ شاعر اگر موسیقی کے رموز سے آشنا ہو تو اس کے کلام میں موسیقیت اور غنائیت کی خوبیوں کی فراوانی کلام شاعر کو اور دلآویز بنا دیتی ہے، دردؔ کے ہاں یہ موسیقیت غضب کی ہے۔ انھوں نے اکثر جگہ مترنم بحور اور الفاظ استعمال کر کے اشعار میں موسیقی پیدا کی ہے:

الف اور یاء کی تکرار:

آہ از دست بی قراری ها	تا بہ کی نالہ ها و زاری ها
تو و تمکین و بردباری ها	من و بی طاقتی و بی تابی

تکرار کاف و قاف:

خاک بر فرق خاکساری ها	نقش پایش نکرد رنجہ قدم

۹۔ خواجہ حمید یزدانی: خواجہ میر درد کی فارسی شاعری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۴۰-۱۴۲

تکرار حرف دال:

دوستی کردم و ندانستم دشمنی بود دوستداری ھا

تا دامن ھستی بہ کف ھوش من آمد بار دو جہان بر سر و بر دوش من آمد

یک حرف خموشی ست کہ در گلشن اظھار چون غنچہ ھمین بر لب خاموش من آمد

ھر چند کہ چنین می روم از یاد خود اکنون ای درؔد مگر وعدہ فراموش من آمد [۱۰]

مآخذ:

۱۔رام بابو سکسینہ: مترجم مرزا محمد عسکری، تاریخ ادب اردو، ادارہ کتاب الشفا، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

۲۔قدیر احمد: خواجہ میر درد اوران کا ذکر وفکر، ناشر شگفتہ نسرین، دہلی، ۲۰۰۴ء

۳۔مرتبہ ڈاکٹر رضا حیدر: خواجہ میر درد: حیات وخدمات، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

۴۔مرتبین ثاقب صدیقی وانیس احمد: خواجہ میر درد: تنقیدی وتحقیقی مطالعہ، ناشر ثاقب صدیقی وانیس احمد، دہلی، ۱۹۹۳ء

۵۔خواجہ حمید یزدانی: خواجہ میر درد کی فارسی شاعری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۳ء

۶۔سراج الدین علی خان آرزو: تصحیح وترتیب عابد رضا بیدار، مجمع النفائس، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ بہار، ۱۹۹۲ء

۷۔غلام ہمدانی مصحفی: تذکرہ ہندی، اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء

۸۔میر حسن: تذکرہ شعرائے اردو، اتر پردویش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء

۹۔لچھمی نرائن شفیق: بہ کوشش عبدالحق، چمنستان شعرا، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۲۸ء

۱۰۔محمد قیام الدین قائم چاند پوری: تذکرہ مخزن نکات، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۸۵ء

۱۱۔سید فاتح علی حسینی گردیزی: مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، تذکرہ ریختہ گویان، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، سال چاپ نامعلوم

۱۲۔مردان علی خان مبتلا لکھنوی: مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب، تذکرہ گلشن سخن، انجمن ترقی اردو (علی گڑھ، ہند)، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۶۵ء

۱۳۔نواب مصطفیٰ خان شیفتہ: مرتبہ کلب علی خان فائق، تذکرہ گلشن بی خار، مجلس ترقی ادب، لاہور پاکستان، اکتوبر ۱۹۷۳ء

۱۴۔تالیف غلام حسین شورش: مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، تذکرہ شورش (رموز الشعرا)، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء

۱۵۔شیخ محمد وجیہ الدین عشقی عظیم آبادی: ترجمہ وترتیب سید شاہ عطا الرحمٰن کاکوی، تذکرہ عشقی، عظیم الشان بک ڈپو، سلطان گنج پٹنہ، ۱۹۶۹ء

۱۰۔خواجہ حمید یزدانی: خواجہ میر درد کی فارسی شاعری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۴۸–۱۵۰

اخبار علمیہ

ڈیجیٹل اور کاغذی کتابیں پڑھنے کے متعلق ایک تحقیق

ہسپانوی یونیورسٹی آف ویلنسیا کی ایک تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیجیٹل کتابوں کے مقابلہ میں روایتی کاغذی کتابیں پڑھنے میں متن زیادہ سمجھ میں آتا ہے۔ محقق لیڈی الٹا مورا نے کہا ''ڈیجیٹل آلات پر تفریحاً پڑھنے کی عادتوں کا تھوڑا بہت تعلق پڑھنے کے مواد کو سمجھنے سے بھی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مطبوعہ کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے درمیان مثبت تعلق ہے۔'' رپورٹ کے مطابق الٹا مورا اور ان کے ساتھی ۲۵ مطالعات کا تجزیہ کرنے کے بعد ان نتائج تک پہنچے ہیں۔ اس تحقیق میں دو ہزار سے ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ افراد شامل ہوئے۔ محقق کرسٹینا ورگاس کے بقول'' جو کچھ ہم دیگر مطالعات سے جانتے ہیں کہ قاری کو ۳۰ر۰ اور ۴۰ر۰ کے درمیان شرح سے سمجھنے کے لیے مطبوعہ تحریروں کو بار بار پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ ڈیجیٹل متن پڑھنے سے یہ شرح ۵۰ر۰ گنا بڑھ جاتی ہے۔ ان نمبروں کا مطلب ہے کہ اگر کوئی طالب علم کاغذی کتابیں پڑھنے میں ۱۰ گھنٹے صرف کرتا ہے تو متن کا سمجھنے کا امکان ڈیجیٹل آلات پر ۱۰ گھنٹے تک متن پڑھنے سے سمجھنے کے مقابلہ میں ۶ سے ۸ گنا بڑھ جاتا ہے۔ ہسپانوی محققین کی یہ تحقیق اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ روایتی طریقوں سے پڑھتے وقت سیکھنے اور ڈیجیٹل متن پڑھنے کے وقت سمجھنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ (الشرق الاوسط، صحیفۃ العرب الاولیٰ، ۲۴ دسمبر ۲۰۲۳ء)

پودے آتش فشاں پھٹنے سے خبردار کرتے ہیں

ایک اور حالیہ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ پودوں کے رویے کی نگرانی آتش فشاں کی سرگرمیوں کا ابتدائی اشارہ فراہم کرسکتی ہے جو آتش فشاں پھٹنے کے طور طریقوں سے بہت پہلے بروقت متنبہ کرسکتا ہے۔ محققین کے مطابق روایتی اشارے جیسے کاربن ڈائی آکسائڈ کے اخراج میں اضافہ اکثر آتش فشاں پھٹنے سے پہلے ہوتا ہے تاہم گیس کے قدرتی ارتکاز کی سطح اور آتش فشاں مقامات تک عدم رسائی کی وجہ سے ان کے اخراج کا پتہ نہیں لگ پاتا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے میک گل یونیورسٹی میں رابرٹ بگ اور ان کی ٹیم نے تحقیق کی کہ آیا پودوں کی صحت آتش فشاں کی سرگرمی کے اشارے کے طور پر کام کرسکتی ہے۔ محققین ۱۹۸۴ء سے ۲۰۲۲ء تک تین الگ الگ ادوار میں ییلو اسٹون نیشنل پارک کی

سٹیلا ئٹ تصاویر کا تجزیہ کرنے کے بعد اپنے نتائج تک پہنچ گئے۔۲۲۔ییلو اسٹون کو ایک بڑے متحرک کالڈیرا سسٹم کے طور پر جانا جاتا ہے (ایک بڑا ڈپریشن جو آتش فشاں کے پھٹنے اور گرنے سے پیدا ہوتا ہے) اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی بڑی مقدار خارج کرتا ہے۔(صحیفۃ الوطن، بحرین ۳۰ دسمبر ۲۰۲۳ء ص ۱۶)

سبزی خور ڈائنا سوروں کی نئی نسل کی دریافت

ماہرین حیاتیات نے پیٹا گونیا میں سبزی خور ڈائنا سوروں کی ایک نئی نسل دریافت کی ہے۔اس کی گردن اور چونچ کافی لمبی ہے۔انہوں نے اس کو سائیڈر سورا مارے کا نام دیا ہے۔ارجنٹائن کونسل فار سائنٹفک ریسرچ کے سائنس دانوں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ اس قسم کے سبزی خور ڈائنا سور ۹۳۔۹۶ سال پہلے جنوبی امریکا میں رہتے تھے۔سبزی خور ڈائنا سوروں میں اس نسل کو سب بڑی اور ضخیم الجثہ نسل سے سمجھا جاتا تھا۔یہ چار ٹانگوں والے تقریباً ۱۵ ٹن وزنی ہوتے تھے اور ان کی لمبائی تقریباً ۲۰ میٹر ہوتی تھی۔سائنسی کونسل کے بیان میں کہا گیا ہے کہ دریافت شدہ ڈائنا سور کی چار ٹانگیں اور ایک لمبی دم ہے۔چار مختلف فوسلز کا نیا دون دی لاس کا مباناس میں دریافت ہوئی ہیں۔یہ والا ایل چوکون سے ۲۰ کیلومیٹر واقع ایک قصبہ ہے۔(صحیفۃ الوطن، بحرین ۱۰ جنوری ۲۰۲۴ء ص ۱۶)

بوتل بند پانی میں نینو پلاسٹک ذرات کا انکشاف

سائنس دانوں نے ایک لیٹر بوتل بند پانی میں نینو پلاسٹک ذرات کا انکشاف کیا ہے۔کولمبیا اور رٹگرس یونیورسٹی کے ماہرین نے پہلی بار دوہرے لیزر کا استعمال کر کے مائیکرواسکوپ کے ذریعے ان کی تعداد کا پتہ لگایا ہے۔بوتل بند پانیوں میں نینو پلاسٹک کے وجود کا اندازہ پہلے سے تھا لیکن انہیں ان کی تعداد اور نوعیت کا علم نہیں تھا۔محققین نے پانی کے مقبول عام برانڈ نمونے اکٹھا کیے تو پتہ چلا کہ ایک لیٹر پانی والی بوتلوں میں اوسطاً ۲،۴۰ لاکھ نینو پلاسٹک ذرات ہوتے ہیں۔یہ تحقیق نیشنل اکیڈمی آف سائنسز میں شائع ہوئی ہے۔واضح رہے کہ ایسے ذرات جن کا حجم ایک مائیکرون سے بھی کم ہے۔ایک انچ میں ۲۵ ہزار مائیکرون ہوتے ہیں۔ایک انسان کا بال تقریباً ۸۳ مائیکرون کے برابر چوڑا ہوتا ہے۔اس سے پہلے مطالعہ میں تھوڑے بڑے مائیکرو پلاسٹک پر توجہ دی گئی تھی جو پانچ ملی میٹر سے ایک چوتھائی انچ سے بھی کم ہوتے ہیں۔اب مائیکرو پلاسٹک کے مقابلہ میں دس سے سو گنا زیادہ نینو پلاسٹک ذرات ہیں۔یہ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ آنتوں اور پھیپھڑوں سے براہ راست خون میں داخل ہو سکتے ہیں اور وہاں سے دل و دماغ وغیرہ پر حملہ کر سکتے ہیں (روزنامہ ہندوستان، ہندی، وارانسی ۱۰ جنوری ۲۰۲۴ء ص ۱۴)۔ ک۔ص اصلاحی

وفیات

آہ! پروفیسر محمد الغزالی

۱۸/ دسمبر کو مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب نے دیر رات اطلاع دی کہ پروفیسر محمد الغزالی صاحب کا اسلام آباد میں انتقال ہوگیا ہے۔ کچھ دیر بعد اس کی تصدیق لاہور سے ترجمان القرآن کے مدیر سلیم منصور خالد صاحب نے بھی کردی۔ پروفیسر صاحب سے دارالمصنّفین اور میرا ذاتی تعلق بہت گہرا تھا۔ دارالمصنّفین سے ان کا تعلق کتنا پرانا تھا، اس کے بارے میں مجھے نہیں معلوم لیکن میں نے ان کو پہلی دفعہ نومبر ۲۰۱۴ء میں دارالمصنّفین کے صدسالہ جشن کے موقع پر دیکھا اور بہت جلد ان سے کافی بے تکلفی پیدا ہوگئی۔ وہ مذکورہ جشن میں شرکت کرنے والے واحد پاکستانی اسکالر تھے کیونکہ ہندوستانی ہائی کمیشن اسلام آباد نے آخری وقت تک کسی پاکستانی کو ویزا جاری نہیں کیا۔ پروفیسر الغزالی صاحب پاکستان کی سپریم کورٹ کے جج ہونے کے ناطے ویزا کی شرط سے مستثنیٰ تھے اس لئے وہ یہاں آسکے۔ انھوں نے اعظم گڑھ میں کئی روز قیام کیا اور تمام سرگرمیوں میں پوری دلچسپی سے شریک رہے۔

اس کے بعد ان سے مستقل ایمیل، وہاٹسپ اور فون کے ذریعے ان کے انتقال سے دوروز قبل تک تعلق قائم رہا۔ اس دوران بیسیوں سیاسی اور علمی مسائل پر ان سے بات چیت ہوئی جو اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں حسب حال ہوتی تھی۔ پروفیسر صاحب ان تینوں زبانوں کے ماہر تھے اور ان سب میں مافی الضمیر ادا کرنے پر پوری طرح قادر تھے۔ اتفاق سے میں بھی ان تینوں زبانوں کو مافی الضمیر ادا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہوں۔

پروفیسر محمد الغزالی صاحب پاکستان کے مشہور عالم ڈاکٹر محمود احمد غازی (م: ۲۵/ستمبر ۲۰۱۰ء) کے چھوٹے بھائی تھے جو اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں پروفیسر تھے اور چند سال کے لئے پاکستان کے وزیر مذہبی امور کی ذمے داری بھی نبھائی۔ یہ دونوں بھائی درس نظامی کے فارغ تھے اور اپنی ذاتی محنت سے دونوں نے عربی زبان پر غیر معمولی دسترس حاصل کی تھی۔ پروفیسر الغزالی صاحب کو انگریزی اور فرنچ پر بھی عبور تھا۔ ان کی انگریزی کتاب ''سوشیالوجی آف اسلام'' ہمارے اشاعتی ادارے (فاروس میڈیا) نے کچھ عرصہ قبل شائع کی تھی۔ اس کو دیکھ کر مصر کے مایۂ ناز عالم

ڈاکٹر حسن الشافعی نے اس کا عربی میں ترجمہ کر دیا ہے اور وہ جلد ہی قاہرہ سے چھپنے والی ہے۔

پروفیسر الغزالی صاحب ۲۷ ستمبر ۱۹۵۴ کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا محمد احمد تھانوی، مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ تھانہ بھون سے تعلق رکھتے تھے اور تقسیم کے وقت ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ پروفیسر الغزالی نے حفظ قرآن پاک اور درس نظامی سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی میں ایم اے اور اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور سے شاہ ولی اللہ کے افکار پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

پروفیسر الغزالی ہندوستانی علماء کی بڑی قدر کرتے تھے اور کافی خواہش مند رہتے تھے کہ یہاں کے علمی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شریک ہوں۔ اپریل ۲۰۱۵ء میں وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ایک کانفرنس میں شریک ہوئے اور کلیدی خطبہ دیا۔ مارچ ۲۰۱۷ء میں وہ میری دعوت پر مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب کے ادارے شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی ایک کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے خصوصی طور پر دہلی تشریف لائے اور کلیدی خطبہ دیا۔ شاہ ولی اللہ کے افکار ان کا خاص موضوع تھا۔ اکتوبر ۲۰۲۳ء میں علی گڑھ کے ادارہ علوم القرآن نے اعجاز القرآن پر سیمینار منعقد کیا جس میں اس عاجز نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ یہ خطبہ میں نے پروفیسر صاحب کو بھی بھیج دیا، جس پر ان کا قدرے افسوس کے ساتھ پیغام آیا کہ اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ بھی اس سیمینار میں شریک ہوتے۔ انھوں نے ساتھ ہی یہ تاکید بھی مجھ کو کی کہ اگر ایسے سیمینار منعقد ہوں تو ان کو اطلاع دی جائے تاکہ وہ ان میں شریک ہوسکیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قسم کی تقریبات میں پروفیسر الغزالی صاحب خود اپنے خرچ پر تشریف لاتے تھے۔

شروع میں مختلف ملازمتوں کے بعد وہ ۱۹۸۵ء میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تدریس سے منسلک ہو گئے اور ۲۰۱۴ء تک اس سے وابستہ رہے۔ اس یونیورسٹی میں وہ شعبۂ اصول الدین کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے عربی مجلّہ ''دراسات اسلامیہ'' کے ایڈیٹر کی ذمے داری بھی نبھائی۔ اسی دوران (۱۹۹۱-۱۹۹۴ء) انھوں نے بین الاقوامی یونیورسٹی کوالالمپور (ملیشیا) میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہ مارچ ۲۰۱۰ء میں پاکستان سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کے جج مقرر ہوئے اور وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔ ان کے انتقال سے برصغیر کی علمی دنیا میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

(ظفر الاسلام خان)

ڈاکٹر شمیم جیراج پوری

(۱۹۴۲ء-۲۰۲۴ء)

علم و دانش کی دنیا نے ایک بار بڑی محرومی کا احساس اس وقت کیا جب معلوم ہوا کہ پروفیسر محمد شمیم جیراج پوری نے بھی اس دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ ان کے انتقال سے ملک اور ملت کو واقعی ایک بڑے سائنسداں، ماہر تعلیم اور ایماندار منتظم سے محروم ہونا پڑا۔ وہ اعظم گڑھ کے معروف قصبہ جیراج پور میں ۱۹۴۲ء میں ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو عام زمینداری کے ساتھ علم و فضل کی وراثت لیے ہوئے تھا، پردادا مولانا سلامت اللہ، دادا مولانا محمد اسلم اور والد ڈاکٹر محمد معظم فخر کے لیے یہی سلسلۂ نسب کافی ہے لیکن شمیم صاحب کے لیے اس کے علاوہ بھی کئی چاند سر آسماں تھے، ان کو چھونے اور پالینے کی خواہش محض خواہش نہیں اس کے لیے ان کی کوشش بجائے خود ان کی زندگی کی کہانی میں سب سے نمایاں بن گئی۔

شبلی کالج میں تعلیم کے بعد عموماً اعظم گڑھ کے ہونہار بچے اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ کا رخ کرتے ہیں، خطۂ شبلی سے دیار سرسید تک کی اس راہداری میں اگر قدموں کے نشان تلاش کیے جائیں تو شاید ایک لمحہ ایسا بھی آجائے کہ تلاش کرنے والا خود کو کسی کہکشانی راہ سے گزرتا ہوا محسوس کرنے لگے۔

جیراج پوری مرحوم نے علی گڑھ کی تعلیم کو اپنے والدین کا ایسا فیصلہ بتایا جو بقول ان کے ان کے لیے سنگ میل ثابت ہوا، ان کے خیال میں اگر وہ علی گڑھ نہ گئے ہوتے تو تعلیم و تحقیق کے میدان میں ان کو ہمیشہ کم مائیگی کا احساس رہتا، علی گڑھ میں انہوں نے زولوجی کا مضمون اختیار کیا اور اس طرح کہ صرف مطالعہ سے سروکار رہا، یونیورسٹی میں خود کو صرف ہوسٹل اور شعبہ تک محدود رکھنے کی توفیق کم ہی کو ملتی ہے، شمیم صاحب کی محنت رنگ لائی اور اٹھائیس سال کی عمر میں انہوں نے زولوجی میں ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری حاصل کرلی۔ ۱۹۶۴ء میں وہ اپنے ہی شعبہ میں لکچرر ہوگئے۔ اس کامیابی کی کلید وہ ہمیشہ بتاتے رہے کہ سخت محنت کا اس دنیا میں کوئی بدل نہیں، محنت صحیح سمت میں ہو اور نظر دور رس ہو تو مقصد اور ہدف کے حصول میں کامیابی یقینی ہے۔ ڈی ایس سی ہوتے ہی ان کی مقبولیت بے پناہ ہوتی گئی، لیکن کمال یہ ہے کہ کیریر کے نقطۂ عروج کو انہوں نے نقطۂ آغاز ہی تصور کیا، وہ ریڈر بنے، پروفیسر بنے، لیکن ان کا ذوق تحقیق ان کو مزید معلومات اور نئے نئے تجربات کے لیے آمادہ کرتا رہا، NEMATODES کے ساختیاتی تنوع پر انہوں نے برطانیہ کے کامن ویلتھ ایگریکلچرل بیورو کے پرنسپل کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۳ء میں وہ ہندوستان واپس آئے، مسلم یونیورسٹی میں زولوجی کے

شعبہ کے صدر ہوئے، اپنی یادوں میں اپنے شعبہ کے ماضی اور مستقبل کے موازنہ میں انہوں نے خود سے سوال کیا کہ کیا اکیسویں صدی میں ہندوستانی یونیورسٹیوں سے جدید سائنس اور ترقی کا خاتمہ ہوجائے گا؟ جواب یہ تھا کہ راتوں رات دولت مند بننے کی خواہش اور ہوس، تعلیمی و تخلیقی زندگی پر حاوی ہوگئی ہے۔ عارضی طور پر چاہے بھلے ہی صورت حال خوش نما نظر آئے مگر ان بدلتی ہوئی ترجیحات کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔ ایک وقت آیا جب وہ زولوجیکل سروے آف انڈیا جیسے نہایت مقتدر سائنسی ادارہ کے سربراہ ہوئے اور آخر میں ۱۹۹۸ء میں وہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی مقرر ہوئے۔ اداروں کی سربراہی کے تجربات نے مولانا آزاد یونیورسٹی کی ترقی کی راہ میں بڑی رہنمائی کی، انہوں نے لکھا کہ یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد کو عام کرنے، اردو ذریعہ تعلیم کے تئیں عوامی دلچسپی پیدا کرنے، اسٹڈی اور ریجنل مراکز کے قیام کے لیے انہوں نے پورے ملک کا سفر کیا۔ ان کو تجربات نے شادمانی عطا کی، ساتھ ہی کچھ تلخ سچائیوں کا ادراک بھی ہوا کہ اب اساتذہ کا واحد مقصد دولت کمانا ہے، تعلیم و تحقیق بالکل نہیں، دولت کی طاقت، دماغ کی طاقت پر حاوی ہوگئی ہے اور تعلیم اب تجارت بن گئی۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب کچھ یادیں کچھ باتیں میں کیا ہے جو ۲۰۰۲ء میں چھپی تھی، قریب ربع صدی کے بعد ان کے احساسات کی صداقت کو اب صاف دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ سائنسداں تھے اس لیے ان کے خیالات کی منطقیت اور واقفیت، غور طلب ہے، اگر پروفیسر شمیم جیسی شخصیت ایک عمر گزرنے کے بعد یہ کہتی ہے کہ بدقسمتی سے یہ دنیا بڑی حد تک ایک بے رحم جگہ بن گئی ہے اور لوگ جس کے مستحق بھی نہیں اسے وہ زور زبردستی سے چھین لینے کی کوشش کرتے ہیں، ان حالات میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوسکیں گے جو سخت اور زیادہ محنت کریں گے۔ تو کم از کم ہماری نئی نسل کو ان الفاظ کی معنویت کی بازیافت کرنی ہی ہوگی۔

پروفیسر شمیم کی زندگی میں جیراج پور سے برطانیہ اور دہلی سے حیدرآباد، الگ الگ مقام آئے، لیکن ان کے دل میں جو بستی ہمیشہ بسی رہی وہ علی گڑھ ہے، وہ سائنسی انسان تھے لیکن مسلم یونیورسٹی کے معاملہ میں رومانی ہوجاتے اور کہہ جاتے کہ مسلم یونیورسٹی آج بھی کسی موازنہ اور مقابلہ سے بالاتر ہے اور یہ کہ وہ عظیم تھی، عظیم ہے اور عظیم رہے گی۔ مادر علمی سے تعلق کا یہ انداز دراصل کسی سچے طالب علم کے جذبہ احسان شناسی کا ایک خوبصورت اور دلکش اظہار ہے۔

شمیم صاحب کی شخصیت میں محسن شناسی اور احسان شناسی کی یہ خوبی سب سے زیادہ متاثر کن ہے، دادا مولانا محمد اسلم اور والد ڈاکٹر معظم اور ان کے رشتہ کے نانا مولانا عبدالسلام ندوی کے ذکر میں یہ خوبی تو عین

قرین قیاس ہے کہ وہ اپنے دادا کو علم اور سادگی کا پیکر اور مولانا عبدالسلام ندوی کو علم و ذہانت کا بحر بیکراں جیسے الفاظ سے یاد کریں، مگر حکیم عبدالحمید، سید حامد، سید ہاشم علی اختر اور دوسرے بعض ہم عصر و ہم مرتبہ پروفیسروں کے متعلق ان کے تاثرات میں خود ان کے علم اور ان کی ذہانت جس طرح ان کے نرم لہجہ میں گھل مل گئی ہے وہ خود ان کی شخصیت کا ایسا خاکہ تیار کر دیتی ہے جس کو دیکھتے رہنے کی خواہش کم نہیں ہوتی، انہوں نے دادا مولانا اسلم جیراج پوری کے نظریات حدیث کی بات سے گریز کرتے ہوئے صرف یہ کہا کہ وہ مذہبی سختی کے قائل نہ تھے، کہتے تھے کہ مذہب دماغ سے نہیں دل کے راستہ اندر داخل ہوتا ہے۔ مولانا اسلم جیراج پوری اور دارالمصنّفین کے حوالہ سے ان کی گفتگو ان کی معقولیت اور معاملہ فہمی کی خوبصورت دلیل ہے۔

شمیم صاحب کی آمد و رفت اعظم گڑھ سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی لیکن وہ جب بھی آتے تو دارالمصنّفین اور خاص طور پر مولانا ضیاء الدین اصلاحی سے ملنے ضرور آتے۔ اپنی یادوں میں انہوں نے کئی جگہ دارالمصنّفین سے اپنی محبت اور معارف کے لیے بین الاقوامی سطح کے معیاری رسالہ جیسے الفاظ استعمال کیے، دارالمصنّفین سے تعلق کی سب سے بڑی وجہ ان کی والدہ کے ماموں مولانا عبدالسلام ندوی کی شخصیت تھی، مولانا ندوی مرحوم پر ممبئی میں ایک سیمینار ہوا اس میں شریک ہو کر انہوں نے مولانا کی زندگی کا بڑا دلآویز مرقع پیش کیا کہا کہ یہ درست ہے کہ مولانا تنہائی پسند تھے، اپنے آپ میں گم رہنے والے علمی مجذوب تھے لیکن زاہد خشک نہیں، شمیم لفظ سے ان کو گہرا لگاؤ تھا، اپنا تخلص شمیم اختیار کیا، بھتیجے کا نام بھی شمیم رکھا، اور شاید ان ہی کی ترغیب پر جیراج پوری صاحب کا نام بھی شمیم رکھا گیا۔ شمیم صاحب کی محبوب شخصیتوں میں ایک نام سید حامد کا ہے، ان کے ذکر میں انہوں نے مولانا عبدالسلام سے ان کا موازنہ اس لیے کیا کہ یہ دونوں تصنع سے عاری تھے۔ بڑے سے بڑا کام کر کے خاموش رہتے، سید حامد نے اردو یونیورسٹی کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اندر کمار گجرال کے بنائے خاکہ میں سید حامد ہی نے رنگ بھرا، وہی اصل آرکیٹکٹ تھے، لیکن انہوں نے کبھی لوگوں کو ایسا باور نہیں کرایا۔ شمیم صاحب نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو سائنس، انسانیت اور اپنے عظیم ملک کے عوام کی خدمت کا جذبہ اور قوت عطا فرمائے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ ہماری دعا ہے کہ دنیا کی طرح آخرت میں ان کے نیک کاموں کا پلہ بھاری ہو۔

(عمیر الصدیق ندوی)

باب التقریظ والانتقاد

رسائل کے خاص نمبر اور نئے رسائل

۱۔ ماہنامہ پیام عرفات خصوصی اشاعت بیاد مولانا سید محمد رابع ندویؒ، مدیر: مولانا محمد نفیس خاں ندوی اور مولانا محمد ارمغان ایوبی ندوی، صفحات ۵۴۴، قیمت ۲۰۰/روپے، سالانہ زر تعاون ۱۰۰/روپے، پتہ: مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، ایمیل: markazulimam@gmail.com

۲۔ تذکیر (غیر موقت) سیریز نمبر: ۱۳۱ بیاد مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ، مرتب، مولانا عزیز الحسن صدیقی، صفحات ۱۹۲، قیمت خاص شمارہ ۱۰۰/روپے، زر سالانہ ۱۵۰/روپے، پتہ: دینیہ اکیڈمی، مدرسہ دینیہ غازی پور یو. پی ۲۲۰۳۰۰، ایمیل: madarsadinia@gmail.com

۳۔ البعث الاسلامی عدد ممتاز عن الشیخ محمد رابع الحسنی الندویؒ، مدیر مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی اور مولانا محمد فرمان ندوی، شمارہ ۸، ۹، ۱۰، زر سالانہ ۴۰۰/روپے، پتہ: البعث الاسلامی پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ یوپی، ۲۲۶۰۰۶، ایمیل: albaas1955@gmail.com

دار العلوم ندوۃ العلما کے ناظم، مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور بے شمار تنظیموں کے سرپرست مولانا سید محمد رابع ندویؒ کا انتقال ۱۳/مارچ ۲۰۲۳ء کو ہوا۔ ان کے سانحہ ارتحال کا غم محض ایک خاندان یا ایک جماعت کا غم نہیں تھا، ان کی شخصیت ایسی ہمہ جہت تھی کہ وہ ہر طبقہ کے لیے محبوبیت اور مقبولیت کا عنوان تھے۔ عربی کے ادیب اول، بلند پایہ استاذ، صاحب قلم اور صحافی ہونے کی وجہ سے وہ عالم عرب میں ہندی مسلمانوں کے گویا سفیر تھے۔ اردو زبان میں ادب اسلامی کے مرد راہِ داں تھے، بنیادی لحاظ سے وہ ایک استاد تھے لیکن قدرت کی فیاضی نے ان میں ادیب و نقاد، خطیب و مصلح اور بے شمار کتابوں کے مولف و مصنف ہونے کی کامل اہلیت بخش دی، ان کی ذاتی خوبیوں نے ان کو اس درجہ کمال پر پہنچایا کہ ملک کی بڑی سے بڑی تنظیم ان سے وابستہ ہونے میں کامیابی کا یقین رکھتی تھی۔ مولانا کی علمی و تعلیمی اور تنظیمی صلاحیتوں پر مستزاد ان کی وہ زندگی تھی جس کو مجموعہ اخلاق فاضلہ سے تعبیر کیا گیا۔ ندوۃ العلماء کی فکر، اس کی خصوصیات اور امتیازات اور اس کے علمی و دینی مزاج میں وہ اس طرح ڈھل گئے تھے کہ ان کی شخصیت ہی ندوۃ العلماء کی شناخت بن گئی۔ ندوہ کی روایات میں اگر اعتدال، میانہ روی، حکمت،

ہوش مندی ہے اور یقیناً ہے تو مولانا نے ان روایات کی پاسداری میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ان کے ایک سب سے قریبی دوست، ہمزاد و دمساز مولانا سعید الرحمٰن اعظمی نے لکھا کہ مولانا حسنی ندوی کی پوری زندگی قوم وملت اور امت مسلمہ کی فکر اور تڑپ میں گزری۔ یہ تاثر صرف فرد واحد کا نہیں جو مولانا سے قریب ہوا اس کو اس حقیقت کا اندازہ ہوگیا، دنیوی مقبولیت، یقیناً کوئی پیمانہ نہیں، لیکن مولانا کے انتقال کے بعد ان کے جنازہ میں لکھنؤ کی خلقت جس طرح شریک ہوئی اور پھر پورے ملک میں مہینوں ان کی یادوں کی شمعیں روشن کی جاتی رہیں وہ یقیناً ان کی مقبولیت کی زندہ شہادت ہے۔ مولانا حسنی ندویؒ کے ذکر اور ان کی فکر کی روشن کرنوں سے اپنے وجود کو منور کرنے اور رکھنے کی جو تحریری کوششیں ہوئیں ان کا ثبوت مذکورہ بالا تین رسالوں کے خصوصی شمارے ہیں، پیام عرفات، رائے بریلی نے سب میں سبقت کی عزت پائی، اس کو حق بھی تھا اور اس حق کا اس نے ضخیم شمارہ کے ذریعہ حق ادا کردیا۔ ہندو پاک کے چھوٹے بڑے سینکڑوں اہل قلم کی تحریروں سے ساڑھے پانسو صفحات کا شمارہ نکالنا آسان نہیں بلکہ سخت تر اور جاں گسل عمل ہے۔ لیکن یہ بھی مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ کی خدمات کا اخلاص حسن ہے جس نے ایک مشکل مرحلہ کو آسان کردیا۔ مضامین کے علاوہ خاص اہمیت کے حامل تعزیت نامے بھی ہیں اور مولانا کے کچھ خاص نوعیت کے اقوال بھی ہیں۔

ندوہ کا عربی ماہنامہ رسالہ البعث الاسلامی تو شروع سے مولانا حسنی ندوی کی توجہات حاصل کرتا رہا، ۱۹۵۵ء میں جب یہ رسالہ شائع ہوا تو مولاناؒ ندوہ کے ادیب اول کے عہدہ پر فائز تھے، البعث کے پہلے شمارہ میں ان کا مضمون 'الادب قوۃ' شائع ہوا اور یہ سلسلہ مولانا کی وفات سے چند مہینوں پہلے تک جاری رہا، البعث کو حق تھا کہ مولانا کی زندگی، ادب اسلامی، ان کے شاہکار علمی وادبی آثار وغیرہ کو پیش کر کے حسن اعتراف کی مثال قائم کرے۔ قریب تین سو صفحات کے ذریعہ البعث الاسلامی نے اپنا فرض بحسن وخوبی ادا کردیا۔

غازی پور کے مدرسہ دینیہ کا ترجمان رسالہ تذکیر اپنے مختصر اور ہلکے پھلکے جثہ کے باوجود اپنے مرتب مولانا عزیز الحسن صدیقی کی خوبصورت اور نہایت مفید اور قابل قدر تحریروں اور دلکش اسلوب کی وجہ سے علم وادب کا اعلیٰ ذوق رکھنے والوں کی نظر میں عزیز تر ہے۔ مولانا صدیقی اور ان کے ادارہ کا تعلق ندوہ اور اس کی ہر تنظیم خصوصاً پیام انسانیت اور رابطہ ادب اسلامی سے ہمیشہ سے گہرا رہا ہے۔ ندوہ ہی کیا

رائے بریلی کے علماء ومشائخ سے غازی پور کا تعلق بھی پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے، اس بھولی بسری داستان کو مولانا عزیز الحسن صدیقی نے بڑے اچھے انداز میں پیش کر دیا ہے۔ اسی داستان میں مولانا حسنی ندوی کی غازی پور میں کئی بار آمد اور مختلف جلسوں اور تقریبوں میں شرکت کا بھی ذکر آ گیا ہے، ایک اور خاص مضمون پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کا ہے جس میں انہوں نے مولانا حسنی ندویؒ کے درس سورۂ حجرات اور اس کے قیمتی نکات کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس درس میں نہایت سادہ انداز میں عام مسلمانوں کے روزمرہ معمولات کے حوالہ سے معاشرہ کی بگڑی ہوئی صورت حال کی عکاسی کی گئی ہے۔ یقیناً مولاناؒ کی تحریر کی سب سے بڑی خوبی اسلوب اور طرز ادا کی سادگی تھی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے عنوان ہی رکھا ہے کہ ذکر ایک پیکر شرافت کا۔ شرافت کا ایک مظہر خردنوازی اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی ہے۔ ڈاکٹر اعظمی نے اسی نقطہ پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے، مولانا وارث ریاضی اپنی جاندار نثر اور نظم دونوں کے لیے معروف ہیں، ان کی نظر میں جو صرف ان ہی کی نظر نہیں مولانا حسنی ندوی شریف النفس تو تھے ہی وسیع الظرف عالم بھی تھے۔ یہ بڑی بات ہے، ظرف کی وسعت اب سمٹتی جا رہی ہے، جن میں پندار، خودنمائی اور نرگسیت کے جراثیم نہیں ملتے اور پلتے، ظرف ان ہی کا وسیع ہوتا ہے اور بھی مضامین ہیں اور اس درجہ کے ہیں کہ کم صفحات کا یہ شمارہ بہت بڑا اور کام کا ہو گیا ہے۔

ان کے علاوہ ابھی ہمارے سامنے تعمیر حیات، سچا راہی، اور فرگرنس کے خصوصی شمارے بھی ہیں، ان کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ شماروں میں آئے گا۔

مجلّہ ضیاء وجیہ، خطیب اعظم حیات اور خدمات نمبر، مدیر ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی، صفحات ۶۹۶، قیمت ایک ہزار روپے، پتہ: دفتر ضیاء وجیہہ، مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ بازار مستن گنج، رامپور، ۲۴۴۹۰۱ یو. پی، سال اشاعت ۲۰۲۲ء ای میل: shr1961@gmail.com

یو. پی کے رام پور کی ریاست کو ماضی کی یادوں میں منتقل ہوئے اب ایک عرصہ گزر گیا، ۱۷۷۴ء میں روہیل کھنڈ کے بہادر اور غیور افغانوں نے آنولہ کی جگہ رام پور کو اپنا مرکز بنا لیا، اب تک اس علاقہ کی تاریخ جس شان سے لکھی جانی چاہیے، نہیں لکھی گئی، لیکن اسی علاقہ کے علما و فضلا اور ادیبوں اور شاعروں کا یہ فیض ہے کہ ان کا ذکر جاری ہے تو روہیل کھنڈ کا ذکر بھی زندہ ہے۔ رام پور کبھی مصطفیٰ آباد تھا اور اپنے ساکنوں کے علم و فضل کی وجہ سے یہ ہند کا بخارا بھی کہلاتا تھا۔ ۱۷۷۴ء ہی میں رام پور میں مدرسہ

عالیہ کا قیام عمل میں آ گیا۔ جس کو ۱۸۵۷ء سے قبل کی ہندوستان کی قدیم ترین مشرقی یونیورسٹی سے تعبیر کیا گیا۔ اسی مدرسہ عالیہ سے مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں کی علمی شخصیت کا ظہور رہوا، انہوں نے اپنے پورے علاقہ میں علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے ساتھ اصلاح رسوم اور بے جا اور غیر ضروری اور دین کی روح سے ناآشنا رواجوں کی بیخ کنی کی۔ اس سلسلہ میں ان کی خطابت نے بڑا کام کیا، مدرسہ عالیہ زوال پذیر ہوا تو انہوں نے جامع العلوم فرقانیہ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کر دیا جو اب ترقی کی راہ پر گامزن ہے، زیر نظر مجلّہ ضیاء علوم اسی جامعہ کا ترجمان ہے اور اپنے لائق مدیر جو شاہ وجیہ الدینؒ کے سعادت مند نواسہ بھی ہیں ان کی کوششوں سے یہ رسالہ علمی و دینی دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اب اس مجلّہ کا یہ عظیم و ضخیم خصوصی شمارہ شاہ صاحب کی تمام خدمات کا بڑا مبسوط، مستند اور افادیت سے معمور، مظہر بن کر سامنے آ گیا ہے، شخصیت، خدمات، شاعرانہ عظمت، ان کی کتابوں پر اظہار خیال، ان کے مضامین، فتوے اور خطوط اور شعری پیکر میں ان کے مناقب، یہ سب بڑے سلیقہ سے اور اس سے زیادہ بڑی محنت سے یکجا کر کے یقیناً ایک کارنامہ انجام دیا گیا، دستاویزی شان اسی محنت سے پیدا ہوتی ہے۔

ماہنامہ رضوان، مولانا سید حمزہ حسنی ندویؒ نمبر، مدیر مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی، صفحات ۲۵۴، قیمت ۳۰۰/روپے، سالانہ زر تعاون، ۳۰۰/روپے، پتہ: ماہنامہ رضوان، ۵۴/۲/۱۷ محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۸

ماہنامہ رضوان اصلاً خواتین کے لیے جاری کیا گیا رسالہ ہے، قریب ساٹھ سال پہلے اس کا آغاز ہوا اور بہت جلد اس نے مسلمان گھرانوں میں اسلامی ماحول پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی، مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی سرپرستی میں خانوادہ حسنی کی خواتین بھی اس رسالہ کو سنوارنے میں ہمیشہ پیش پیش رہیں، مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی نے اس رسالہ کو اور بھی دلکش بنا دیا، دلکش بنانے میں کہا گیا کہ انہوں نے رضوان کے پیام کی اشاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں جو ان کے قلم سے ہو سکا وہ سب رضوان کے سپرد کر دیا۔ مولانا حمزہ حسنی کی تحریروں پر تبصرے کم کیے گئے، حقیقت یہ ہے کہ ان کا اسلوب بڑا سادہ تھا اور شاید اسی لیے اس کا اثر بھی زیادہ تھا۔ مولانا کا انتقال اس عمر میں ہوا جس میں اس سانحہ کا تصور نہیں تھا، حمزہ صاحب بظاہر کم سخن، خاموش طبع اور کچھ شرمیلے قسم کے تھے، لیکن زیر نظر شمارہ کے پچاسوں مضامین

ان کی محبت کی جہانگیری کے گواہ بن گئے ہیں ، ایک صالح اور فعال زندگی اگر دوسروں کی زندگی کو صالحیت اورنافعیت کی خوبی عطا کرسکتی ہے تو اس خاص شمارہ کا مطالعہ یقیناً نہایت مفید ثابت ہوگا۔

سہ ماہی ادبی نشیمن رباعی نمبر، ایڈیٹر ڈاکٹر سلیم احمد ، صفحات ۲۴۸، قیمت خصوصی شمارہ ۲۰۰/روپے، دوسالہ ممبرشپ ۳۰۰/روپے، پتہ: ادبی نشیمن ۱۶۸/سی-۵۴۴، الماس باغ، ہردوئی روڈ لکھنؤ، ایمیل :

adbeenasheman@gmal.com

ادبی نشیمن، اردو کی ادبی صحافت میں نیا نام ہے لیکن اس کے رباعی نمبر سے اس کی پختگی جھلکتی ہے۔ رباعی جیسی صنف شاعری کے متعلق اس کے فن ، اس کی تاریخ اور پھر اس پر تنقیدی و تحقیقی مباحث اور تخلیق رباعیات کے عنوان سے تازہ رباعیات کا گلدستہ سجانا آسان نہیں، مگر اس مشکل مرحلہ کو جس سلیقے سے طے کیا گیا اس سے کسی بھی صاحب ذوق کے لطف ولذت میں اضافہ بھی طے ہے۔ سلیقہ یوں کہ آغاز بڑی خوبصورت حمدیہ ونعتیہ رباعیوں سے کیا گیا، صنف رباعی کے بارے میں انس مسرور انصاری کا مضمون اس جملے سے شروع ہوتا ہے کہ اردو شاعری کی تمام اصناف سخن میں رباعی مشکل ترین فن ہے، لیکن مدیر رسالہ کے اداریہ بعنوان نظریہ میں کہا گیا کہ حقیقت میں اس کو جتنا مشکل کہا گیا اتنا ہے نہیں، شاعری کے لیے عروض سے واقفیت ضروری ہے تو عروض کو جاننے والے کے لیے رباعی کہنا آسان ہی ہے۔ تنقید و تحقیق کا باب زیادہ وسعت لیے ہوئے ہے، اس میں انیس، حالی، نساخ، اقبال، یگانہ، جوش، فراق، ناوک، فضا ابن فیضی، شوق نیموی، کوثر صدیقی ، رباب رشیدی جیسے شعراء کے علاوہ ظفر کمالی، شاہین رضا زیدی، زیب النساء زیبی، طرفہ قریشی جیسے نسبتاً کم معروف شعراء کی رباعیوں پر عمدہ تبصرے ہیں۔ دومضامین میں لکھنؤ اور میرٹھ کی رباعی گوئی کا بیان ہے، ایک مضمون غیر مسلم رباعی گو شعراء پر بھی ہے، ایک مفید باب رباعیات پر لکھی گئی کتابوں کے تعارف وتبصرہ کا بھی ہے، ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اکثر مضمون نگار ادب کی بساط پر تازہ وارد ہوئے ہیں، اس لیے جدت کے ساتھ لذت کا بھی احساس ہوتا ہے۔ طباعت کی خوبصورتی ایسی ہے کہ اپنے ذکر کو جدا حیثیت سے ظاہر کرنے پر مجبور کرتی ہے، رباعی کی صنف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ شمارہ واقعی خاص ہے۔

سہ ماہی ادب سلسلہ، خصوصی شمارہ، نئی نسل نئی فکر، مدیر اعلیٰ ڈاکٹر تنویر فریدی، مدیر محمد سلیم ، صفحات ۳۰۴، قیمت ۵۰۰/روپے، پتہ: ۲۰۲-آر اسٹریٹ نمبر: ۱۰ رمیش پارک، لکشمی نگر، دہلی ۱۱۰۰۹۲، ایمیل :

adabsilsila@gmail.com

یہ سہ ماہی رسالہ بھی نیا ہی کہا جائے گا، لیکن اس کے لب ولہجہ کی خود اعتمادی اس کے سلسلے کی مضبوطی کو عیاں کرتی ہے، ترتیب کا انداز تو پرانا ہی ہے، جیسے گوشہ، افسانہ، غزلیں، نظمیں، یادرفتگاں، سفرنامہ، انٹرویو، تبصرہ وغیرہ مگر پیش کش میں کچھ نئے پن پر توجہ بھی ہے، مثلاً نئی نسل نئی فکر کے عنوان سے ایک گوشہ الگ ہی مختص ہے۔اس میں کوثر مظہری نے نئی نسل کے سامنے ہر طرف سے تغیرات کی یلغار کو فکری اساس کے متزلزل ہونے کا سبب قرار دیا ہے، ان کے خیال میں آج کے عہد میں شعور انسانی پر ایسا حملہ ہوا ہے کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہوتی نظر آتی ہے۔ان کو شکوہ ہے اور اس کے اظہار میں ان کو ہچک نہیں کہ اردو ادب میں نئی نسل عجلت پسندی کا شکار ہو چکی ہے۔ یہ سطحی ادب پر اکتفا کر رہی ہے، گہرے مطالعے اور ماضی کے معیاری ادب کو پڑھنا نئی نسل کے لیے تضیع اوقات کے مترادف ہو گیا۔لیکن ڈاکٹر سید احمد قادری کو مایوسیوں کے دھندلکوں میں کچھ نئی ادبی کرنیں پھوٹتی نظر آتی ہیں، نئی نسل کے ان فنکاروں کو وہ ادبی جگنوؤں سے تعبیر کرتے ہیں، ایک باب ساحر لدھیانوی کے لیے خاص ہے، لیکن اس سے بھی خاص مذاکرات کے عنوان سے وہ الگ گوشہ ہے جس میں مختلف ادیبوں، ناقدوں اور استادوں سے اردو زبان وادب کے تعلق سے کچھ سوالات کیے گئے، مثلاً اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے جستجو کیسی ہو؟ نئی نسل جامعات میں تحقیقی مقالات لکھنے تک کیوں محدود ہے، حالاں کہ ان میں تخلیقی صلاحیت کی کمی نہیں، یا نئی نسل ادب کی کس صنف کی طرف زیادہ مائل ہے یا ہماری تحقیق اور تنقید کا معیار پیش رو بزرگوں کے معیار سے فروتر کیوں ہے؟ جوابات کئی اہل علم نے دیئے، مثلاً حقانی القاسمی نے جواب میں کہا کہ سات سوالوں میں بڑا رمز ہے۔جوابات صرف قیاسات پر مبنی ہو سکتے ہیں، اس کے بعد کے جوابوں میں ان کے ہاں قنوطیت کی کرنیں زیادہ چمکتی نظر آتی ہیں، کابل کے رحمت اللہ ترکین کے جواب زیادہ منطقی ہیں اور عملی بھی کہ مطالعہ کا فقدان بھی لکھنے والوں کے حوصلوں کی کمی کا سبب بن رہا ہے، ڈاکٹر فاروق اعظم قاسمی کا یہ کہنا اچھا لگا کہ نئی نسل میں بہتوں کی پرواز بلند ہے، لیکن عام طور پر ان کی بنیاد میں بڑی کم زوری محسوس ہوتی ہے۔یا یہ کہ نئی نسل میں حقیقی تخلیق کم اور سوشل میڈیائی زیادہ ہے۔ یہ چند باتیں اس مذاکرہ میں ادھر ادھر سے ہیں ورنہ یہ پورا مذاکرہ اس لائق ہے کہ اس میں سنجیدگی سے شامل ہوا جائے، اچھی بات یہ ہے کہ آخر میں حاصل مذاکرہ کے تحت عام تاثر کو بطور خلاصہ پیش کر دیا گیا۔ادب سلسلہ کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے کہ اس دور بے ادب میں اس نے آتش رفتہ کے سراغ پر دھیان دیا اور ایک ایسے عہد کے بارے میں سوچنے پر آمادہ کیا جہاں نئی نسل سے نیا ادب بہت کچھ کرنے اور پانے کی امید رکھ سکتا ہے۔

علامہ شبلی کا ایک اور نادر خط

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

موبائل: 919838573645+

’’دین سے ناواقف مسلمانوں کی مردم شماری‘‘

۱۹۰۸ء میں ارتداد کے متعدد واقعات رونما ہوئے اور آریوں کی ریشہ دوانیوں کے اثر سے نومسلموں کے دوبارہ ہندو ہوجانے کی خبریں عام ہوئیں ان واقعات اور خبروں نے علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کو تڑپا دیا اور اس کے تدارک اور سدباب کے لئے وہ برابر فکرمند رہے۔ اس کے لئے انہوں نے متعدد کوششیں کیں، بعض مقامات کا دورہ کیا اور ان علاقوں میں معتمد اشخاص، علماوفضلا اور سفرا بھیجے، اخبارات کے مدیروں کو خطوط لکھے اور ایک تحریک بھی چلانی چاہی، مگر لوگوں کی عدم توجہی سے انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ اپنی ان سرگرمیوں کو وہ خود ناکافی خیال کرتے تھے، چنانچہ اس کے مستقل تدارک کے لئے انہوں نے مجلس اشاعت اسلام قائم کی اور ایک وسیع علمی و عملی منصوبہ تیار کیا۔ اس کی تفصیل ’حیات شبلی‘ میں موجود ہے۔

اسی منصوبہ کے تحت علامہ شبلی دین سے ناواقف مسلمانوں کی مردم شماری کرانا چاہتے تھے، تاکہ ان کی بنیادی تعلیم اور احکام اسلامی سے ان کی واقفیت کا انتظام کیا جاسکے، چنانچہ انہوں نے اس کا بھی ایک خاکہ تیار کیا اور اس کے ساتھ سفرا کو ان علاقوں میں بھیجا۔ ایک عرصہ تک یہ کوشش جاری رہی۔ اس وقت علامہ شبلی نے ’’برادران اسلام‘‘ کے نام اخبارات کے مدیروں کو ایک خط لکھا تاکہ مسلمان اپنے اپنے علاقہ کے آریوں کی سرگرمیوں سے مطلع کریں اور ان علاقہ میں واعظ اور مقررین بھیجے جائیں۔ اس نوع کا ان کا ایک خط علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (مورخہ ۲۴/جنوری ۱۹۱۲ء) میں شائع ہوا۔ یہ خط چونکہ علامہ شبلی کے کسی مجموعہ خطوط مکاتیب شبلی ومراسلات اور مکتوبات میں شامل نہیں ہے، اس لئے اس نادر خط کی اشاعت ضروری معلوم ہوئی۔ خط یہ ہے:

بخدمت برادران اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھ کو معلوم ہے کہ بہت سے ایسے قصبات و دیہات ہیں جہاں کے مسلمان اسلام کے احکام وفرائض سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا لباس اور وضع بلکہ نام تک ہندؤں کے سے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ چند اشخاص کو بطور انسپکٹر مقرر کر کے ان دیہات کا دورہ کیا جائے اور ان کی مردم شماری اور مفصل رپورٹ حاصل کی جائے ،اس لئے تمام برادران اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ان کے ضلع میں اگر اس قسم کے دیہات ہوں تو وہ مجھ کو مطلع فرمائیں تا کہ ان سے مزید خط وکتابت اور انسپکٹر کے بھیجنے کا بندوبست کیا جائے۔ والسلام

شبلی نعمانی

ندوہ لکھنو

ملی دردمندی کے اس جذبہ صادق کی مثال ممکن ہے علامہ مرحوم کے دور میں اور شخصیات کے یہاں بھی پائی جاتی ہوں، مگر آج کے دور میں اس کا تصور بھی محال معلوم ہوتا ہے۔

•••

تبصرۂ کتب

حضرت پرتاپ گڑھیؒ اوران کے خواص وخدام: مرتب محمد نعیم الرحمٰن جلال پوری۔ کاغذ وطباعت عمدہ، غیر مجلد مع خوبصورت گرد پوش، صفحات ۱۷۶، ملنے کا پتہ: مفتی محمد عارف مظہری اعظمی، جامعہ اسلامیہ اشرف العلوم کرامت کی چوکی، کریلی الہ آباد۔ قیمت: ۱۰۰روپے۔ سن طباعت: ۲۰۲۰ء۔ موبائل نمبر: ۹۴۵۱۱۳۴۶۱۹۔ ای میل: درج نہیں۔

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ اپنے دور کے شیخ کامل تھے۔ ان کی زندگی ورع وتقویٰ کا نمونہ اور اخلاق نبوی کی جیتی جاگتی تصویر تھی جواب بہت کم نظر آتی ہے۔ مولانا پرتاپ گڑھی کو شعر وسخن سے طبعی مناسبت تھی۔ عشق ومستی اور جذب وکیف سے معموران کا صوفیانہ مجموعہ کلام ''عرفان محبت'' نہ جانے کتنے ویران دلوں کو عشق حقیقی کے نور سے منور کر گیا۔ زیر نظر کتاب میں اسی شمع رشد وہدایت اوران کے پروانوں کے دل نشین وپرکیف سوانح کو سلیقہ سے پیش کر دیا گیا ہے۔

فاضل مرتب نے مندرجات کو پانچ حصوں اور مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ تمہیدی ہے جس میں ذاتی نوعیت کے مضامین ہیں۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے حصے کے توضیحی مضامین ہی اصل کتاب ہیں۔ چوتھے حصہ کا پانچواں باب ضمیمہ کے طور پر شامل ہے۔ پانچواں حصہ تکملہ ہے۔ اس میں مولانا پرتاپ گڑھیؒ سے متعلق ان تمام نظموں اور قطعات کو جمع کر دیا گیا ہے جو مرتب کے مجموعۂ کلام ''لؤلؤا منثورا'' کے مختلف ابواب کے تحت شامل ہیں۔ صاحب سوانح کے متعلق اس کتاب کا ہر باب اہم اور کچھ نہ کچھ نئے معلومات کا حامل ہے لیکن اس کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جس میں مولانا احمد کی سوانح ''تذکرہ'' مرتبہ مولانا عمار احمد مرحوم کے تسامحات اوران کی توضیحات پر گفتگو اور ''عرفان محبت'' کے کچھ اشعار کے اغلاط واقسام کی بڑی برمحل اور موزوں نشاندہی اصلاح کے مقصد سے کی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں حسامی مانک پوری، محمد حسن، ریاض احمد وغیرہ اور ایک نامعلوم الاسم مسترشد کے نام منظوم خطوط نے مولانا پرتاپ گڑھی کے کمالات شاعری کے الگ نمونہ سے متعارف تو کرایا ہی ہے ساتھ ہی ان پر مختصر توضیحی معلومات نے مرتب کی تلاش وتحقیق کا ایک نیا منظر بھی دکھا دیا ہے۔

مرتب کتاب نے مواد کی پیشکش کے لیے متین وسنجیدہ اسلوب اختیار کیا ہے حالانکہ بہت سے

مقامات پر درد چھلکا ہے مگر قلم کا اعتدال وتوازن باقی ہے۔ کتاب صحبتے با اہل دل کی لذت سے آشنا کرنے میں کامیاب اور وارفتگان شوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

تذکرہ محی السنہ مولانا محمد منیر اعظمی ابراہیم پوریؒ: حبیب الرحمٰن الاعظمی ابراہیم پوری، کاغذ وطباعت عمدہ، غیر مجلد مع خوبصورت گرد پوش۔ صفحات: ۱۹۲۔ ملنے کا پتہ: قاسمی کتب خانہ ابراہیم پور اعظم گڑھ۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔ سن طباعت: ۲۰۲۲ء۔ موبائل نمبر: ۸۰۹۰۷۰۷۸۴۴۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ممتاز مرید اور مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادیؒ کے خلیفہ ومجاز مولانا محمد منیر اعظمی کا تعلق ابراہیم پور، اعظم گڑھ سے تھا۔ مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کے ابتدائی طلبہ میں تھے۔ علامہ ابراہیم بلیاوی سے بھی کسب فیض کیا تھا۔ دار العلوم مئو سے فارغ ہوئے۔ تلاش معاش کے لیے کلکتہ گئے۔ وہاں امامت وخطابت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اواخر عمر میں وطن واپس آگئے اور یہیں کی خاک کا پیوند ہوئے۔ مدرسہ فیض العلوم، ابراہیم پور کی بنیاد رکھی۔ ص ۴۳ پر حافظ عبد الستار صاحب کو ۱۹۲۷ء میں مدرسہ کا ناظم بنائے جانے سے مدرسہ کی قدامت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں پہلے حالات وخدمات اور آل واولاد واصہار کا تذکرہ ہے، اس کے بعد مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہؒ کے نام کل دس خطوط اور بعض خطوط کے جوابات الگ سے مستقل اور بعض کے ان ہی خطوط کے اندر قوسین میں درج کیے گئے ہیں۔ خطوط سے پہلے ان کی اشاعت کے مقاصد اور مصلح الامت کے مختصر حالات زندگی بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ مولانا کو تصنیف وتالیف اور کا صاف ستھرا ذوق بھی تھا۔ جواہرات بے بہا، قرآن کریم اور اس کی برکات، سورہ اخلاص اور آیۃ الکرسی کے فضائل، مجدد الف ثانی کے مکتوبات وملفوظات وغیرہ پر ان کے مختصر مضامین کتاب میں شامل ہیں۔ بعض استفتاء مثلاً مشاعرہ کی شرعی حیثیت، امانت کی رقم کی چوری، مسجد میں نماز جنازہ یا اس میں تنخواہ لے کر پڑھانے، ایک مجلس میں تین طلاق دینے وغیرہ کے متعلق جوابات بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اس سے دینی مسائل میں ان کی جانب لوگوں کی مرجعیت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا کی علمی، تعلیمی اور قومی وملی خدمات کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ ابراہیم پور میں تعلیم بالغاں کا شبینہ نظم، کلکتہ میں دوران قیام بیت المال کا قیام اور مسلمانوں میں موجود بدعات وخرافات کے استیصال کی مہم کا تذکرہ اس لائق ہے کہ اسے امت کے سامنے پیش کیا جائے۔ تذکرہ علمائے اعظم گڑھ میں ان کے متعلق مختصر معلومات ملتی تھیں۔ مزید حالات وروایات ومعلومات سے مولانا کے متعلق احساس تشنگی بھی زائل ہو گیا ہے۔

ک ص اصلاحی

تفسیر اور اصولِ تفسیر: از مولانا فیصل احمد ندوی، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت عمدہ، صفحات ۲۵۶ قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبۃ الشباب العلمیہ ندوہ روڈ، ٹیگور مارگ لکھنؤ، اشاعت باردوم ۲۰۱۹ء

اس کتاب کے مصنف مولانا فیصل احمد ندوی نے اپنے مقالات و مضامین اور بعض نہایت مفید مولفات و مصنفات سے اہل علم کی توجہ اپنی جانب مبذول کی ہے، زیر تبصرہ کتاب بھی ان کی علمی کامیابیوں کے سلسلہ کا ایک حصہ ہے، انہوں نے ایک مذاکرہ علمی میں ایک مقالہ بعنوان ''مدارس میں قرآن و اصول قرآن کی تفہیم و تدریس و اسلوب، منہج، مسائل و مشکلات'' پیش کیا تھا، نظر ثانی کی تو کچھ اور مباحث کی وجہ سے یہ مقالہ نہ رہا ایک کتابی شکل اختیار کر گیا۔

کتاب کل گیارہ ابواب پر محیط ہے جن میں تفسیر ماثور کی اہم کتابیں، مختلف ذوق کی حامل تفسیریں، ہندوستان میں تفسیریں، علمائے کبار کے تفسیری افادات، فہم قرآن کے لیے ضروری موضوعات اور مفسر کے لیے آداب و شرائط وغیرہ موضوعات پر خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف کی تحریروں سے ایک تجزیاتی انداز مطالعہ خوب ظاہر ہوتا ہے، تفسیر تدبر قرآن کے ذکر میں لکھا کہ ''اس کا بہت بڑا امتیاز مولانا اصلاحی کی زبان اور اسلوب ہے، ان کو زبان پر بے پناہ قدرت ہے، مولانا آزاد، مولانا دریابادی، مولانا مودودی کے صاحب طرز ادیب ہونے میں شبہہ نہیں لیکن مولانا اصلاحی کی تفسیر کا ادبی رنگ ان سب کی تفسیروں کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں ہے، ادب عالی کے نمونے جتنی کثرت سے یہاں ملتے ہیں اردو کی کسی دوسری تفسیر میں ملنا مشکل ہے'' اس تعریف کے بعد وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''مولانا وسیع النظر عالم تھے، ایسے شخص سے سابقہ خیالات و آرا کی تائید و پابندی اور تمام تحقیقات سے اتفاق کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا''۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''مولانا اصلاحی کے بعض اجتہادات قابل غور اور قابل قدر ہیں تو بعض دیگر خیالات محل نظر، باعث تشویش اور قابل تنقید بھی ہیں، اس لیے تفسیر ماثور پر جس کی نظر پوری نہ ہو اس کے لیے یہ مقامات انحراف کا باعث ہوسکتے ہیں، اس لیے بہت احتیاط سے مطالعہ کی ضرورت ہے''۔ فاضل مصنف کی فکر اور تجزیہ کا یہ تضاد بھی محل نظر ہوسکتا ہے۔ تبحر علمی کے اعتراف کے ساتھ تحفظات؟ یہ تو خیر ایک جملہ معترضہ ہے ورنہ کتاب اپنے موضوع پر طلبائے تفسیر کے لیے خاص طور پر بہت مفید و معاون ہوسکتی ہے۔

(فضل الرحمٰن اصلاحی)

غزل

جمیل مانوی

سہارنپور

سر بر سرِ نیزہ ہے بلندی بھی صفا بھی
ملتا ہے شہیدوں کو بہت اس کے سوا بھی

مائل بہ کرم ہے کوئی بیگانہ ادا بھی
مل جائے گا اب دل کو وفاؤں کا صلا بھی

حاصل مجھے دنیا بھی ہے دنیا کے سوا بھی
ہر رنگ طبیعت میں ہے اچھا بھی برا بھی

تو مالک و مختار ہے ہر اچھے برے کا
مولا ترے ہاتھوں میں ہے اچھا بھی برا بھی

ہر چند زمیں پر ہیں قدم، دل سرِ افلاک
اور یوں مرے امکان میں شامل ہے خطا بھی

یہ سوچ کے مہمان کیا تھا تجھے گھر میں
شاید کہ بدل جائے مرے گھر کی فضا بھی

دکھ کیوں مری تقدیر کے ٹالے نہیں ٹلتے
تم لطفِ سراپا بھی ہو پابند وفا بھی

آ دیکھ مری عمر تمنا کا تماشہ
یہ داغ ہیں یہ دل ہے یہ کچھ دل کے سوا بھی

یہ چاہوں کہ تم ٹوٹ کے چاہو مجھے اک بار
دل دیکھ تو لے اپنی محبت کی جزا بھی

منزل کی تمنا ، نہ ارادوں میں بلندی
اس عمر میں آ کے جو ترا ساتھ ملا بھی

کچھ اس سے زیادہ کا طلب گار نہیں میں
اک حرف تسلّی کہ دوا بھی ہے دعا بھی

اک ہم ہیں کہ لٹنے کے لیے بیٹھے ہیں تیار
اک وہ ہیں کہ رشتوں کا نہیں پاس ذرا بھی

یہ بات الگ نظریں نہ اٹھیں کسی جانب
دنیا میں بہت کچھ تھا مگر تیرے سوا بھی

اب عقل سلامت ہے نہ ایمان سلامت
دنیا ترے دھوکے میں ہے اچھا بھی برا بھی

مایوس نہ ہو صبح کے آثار ہیں پیدا
پھر نور سے بھر جائے گی دھرتی بھی فضا بھی

دنیا کو پھر اک بار سنورتے ہوئے دیکھوں
پھر سونپ ارادوں کو مرے کُن کی صدا بھی

☆

معارف کی ڈاک

مکتوب نگاری کی نئی تحقیق

معارف دسمبر ۲۳ء کے شمارے میں آبروئے تحقیق بلکہ تحقیق کی دنیا میں تحقیقی انفراد کے حامل محقق جناب ڈاکٹر راہی فدائی کا قیمتی مقالہ بعنوان ''مکتوب نگاری کی نئی تحقیق'' پڑھا اور خوب ڈوب کر پڑھا ، نیز اپنی علمی بساط کے مطابق مستفید و مستفیض بھی ہوا۔

کہنے کی ضرورت نہیں کہ محقق موصوف کی یہ نگارش خط کی مختلف الجہات اہمیت و معنویت پہ دال ہے اور اس کے متنوع محتویات و مندرجات کا غماز و عکاس بھی ، نیز یہ مجھ جیسے ہیچ مداں کے لیے اطلاع اول کی حیثیت رکھتی ہے۔

بہر کیف جب میں ڈاکٹر صاحب کے فکر و فن کے عرفان ، اطلاع و آگہی کے احتشام اور علم میں اضافے کا موجب بننے والے اس مقالے کا مطالعہ کر رہا تھا تو میرے ذہن پر قرآن مجید کی تعریف کا ایک جزء ''**الذی لا تنقضی عجائبه و لا غرائبه**'' دستک دے رہا تھا اور فوراً نوکِ قلم پر یہ شعر آ گیا:

فرصت کہاں ملی جو ہم کھولتے کتاب ۔۔۔ سارا کا سارا علم تو قرآن ہی میں ہے

بہر حال مذکور مقالہ نویس کی یہ قلمی کاوش جہاں مراسلے کے جائزے کے متفرق اندازے، زاویے اور قائمے پر روشنی ڈالتی ہے تو وہیں یہ قرآن سے ہماری دوری اور غفلت شعاری کے رویے کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی عملی بے راہ روی کے سبب ''**وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجوراً**'' (سورۃ الفرقان- رقم الآیۃ ۲۹) کے مستحق وعید نہ ہو جائیں:

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی ۔۔۔ کہ راہ تو می روی بہ ترکستان می رود

خدا موصوف کے افکار کو تابندگی عطا کرے (آمین) اب میں ان کی صحت و سلامتی اور مسرت و شادمانی کی دعا گوئی کے ساتھ قلم انداز ہوتا ہوں۔

فقط نیاز کیش راجو خان

۹۱۲۲۷۸۰۱۹۸

۷؍جنوری ۲۰۲۴ء

مکرمی!　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

نئے سال کا نیا شمارہ یعنی جنوری ۲۰۲۴ء ملا، شکریہ۔ شذرات حسب معمول اپنے معنی کی صداقت پر کھرے اترے ہیں۔ سرمقالہ مولانا اسیر ادروی کی تالیف ''تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ'' معلومات افزا ہے مگر بقول پروفیسر اصلاحی صاحب ''کوئی انسانی کاوش کمی، خامی، غلطی اور تسامحات سے پاک نہیں ہوسکتی'' (صفحہ ۲۳۔۲۴) کے تحت کچھ عرض ہے۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ تالیف کاروان رفتہ کے تعارف میں مولف لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ علامہ شبلی سے ملاقات کے دوران کشف الظنون کے طرز پر ایک مفصل کتاب تالیف کرنے کی تجویز رکھی تو علامہ شبلی نے اس کی تحسین وتائید کی اور ''بنگال کے مصنّفین اور ان کی تصانیف کے تعارف کا کام خود حکیم صاحب کے سپرد کیا اور انہوں نے اسے منظور کر کے مفوضہ کام شروع بھی کر دیا تھا، کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ کتاب مکمل ہوکر شائع ہوگئی تھی کہ نہیں۔ مذکورہ اطلاع اس لحاظ سے قیمتی ہے کہ علامہ شبلی پر معروف کتب حکیم صاحب کی اس تجویز اور علامہ شبلی کی اس تائید وتحسین کے ذکر سے خالی ہیں'' (صفحہ ۱۳) اس پر عرض ہے کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے ''مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ'' کے نام سے ۲۰۲۱ء میں ایک کتاب دارالمصنّفین سے شائع کروائی ہے۔ اس کے صفحہ ۲۱۱۔۲۱۲ پر اس کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی پھر بھی یہ کتاب مشہور محقق و مصنف جناب عارف نوشاہی نے ''ثلاثہ غسالہ'' کے نام سے ترتیب دے کر مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کی۔ پھر مغربی بنگال اردو اکادمی کولکاتا نے بھی شائع کر دیا، علامہ شبلی سے تعلق کا ذکر حکیم صاحب نے اپنی دوسری کتاب ''آسودگان ڈھاکہ'' کے دیباچہ میں کیا ہے اور یہ اقتباس ''ثلاثہ غسالہ'' میں بھی نقل ہے اور یہ کتاب اعظمی صاحب کے پاس موجود بھی ہے۔ (صفحہ ۲۱۱-۲۱۳)

الیاس صاحب کے مقالہ بیاض شبلی یا بیاض محمد عمر پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ یہ سب ہوتے ہوئے اس کا نام ''بیاض شبلی'' کس نے رکھ دیا؟ سید صاحب نے تو رکھا نہیں ہوگا کہ سرورق ہی پر جب محمد عمر صاحب نے ان کو مخاطب کر کے خط لکھا ہے اور موخرالذکر نے استفادہ بھی کیا ہے۔ بہرحال یہ مقالہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ علامہ شبلی کے نادر کلام پر جب بھی کوئی کام کرنا چاہے تو اس سے صرف نظر کرنا ممکن

نہیں ہوگا کیوں کہ بیاض تو ظاہر ہے کہ قلمی ہے اور ہر کس و ناکس کی پہنچ سے باہر بھی۔

پیش نظر شمارہ ''ان پیج'' میں ہونے کی وجہ سے بآسانی پڑھ لیا، چند تسامحات بھی راہ پا گئے، جیسے ''نے فرمائی اور لکھا'' (صفحہ ۷۶) ''بھٹک رہا ہوں میں'' (صفحہ ۷۷) ''ان کے نظریۂ شعر سے محبت کرتا ہے'' بجائے بحث'' (صفحہ ۴۴) (صفحہ ۵۱) کی آخری سطر اور ص ۵۲ کی پہلی سطر یکساں ہے۔

دسمبر ۲۰۲۳ء کے شمارہ میں بھی چند چیزیں ہیں جیسے صفحہ ۲۲ پر ہے ''اس کا زمانہ تسوید تو گزشتہ صدی کے نصف اول کا دوسرا عشرہ ہے'' مگر ص ۲۳ پر سرخی '' آپ بیتی کی مدت تسوید اور اس کے ابواب'' کے تحت مولانا کے بیان کے مطابق اس خود گزشت کا آغاز جولائی ۱۹۵۴ء میں ہوا'' اب ان دونوں باتوں میں ایک ہی بات صحیح ہو سکتی ہے۔ صفحہ ۳۷ پر امام صغانی کو امام ''صفاتی'' ہو گیا ہے۔ صفحہ ۴۷ پر ''بنگلورو''۔

زیادہ حد ادب
شاہ ظفر الیقین
گیانپور۔ بھدوہی
۹۴۵۰۲۵۵۵۶۸

معارف کی طباعت

تازہ معارف دیکھا۔ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔ بہت اچھا کیا آپ نے کہ اسے دوبارہ ان پیج پر کر دیا اور اس کی رونق واپس آ گئی۔ اس پورے عرصے میں جو شخص جہاں بھی ملا، معارف کی صورت سے شاکی اور آزردہ خاطر نظر آیا۔ توقع تھی کہ اس کی بدصورتی زائل ہوگی اور سیٹنگ بھی درست ہو جائے گی، مگر اتنی مدت گزرنے کے باوجود صورت جوں کی توں رہی۔ نئے سال کے موقع پر یہ فیصلہ آپ نے بہت خوب کیا۔ معارف کے قارئین خوش ہو جائیں گے۔ آن لائن جو شمارہ آیا ہے اس میں سیٹنگ کی بعض خامیاں ہیں، کاغذی نسخہ آئے تو صحیح اندازہ ہو۔ آپ کی جلد از جلد صحت یابی کے لیے دعا گو۔

محمد اجمل اصلاحی
majmal1953@gmail.com

معارف: شکریہ۔ الحمدللہ دھیرے دھیرے روبہ صحت ہوں حالانکہ اب بھی صاحب فراش ہوں اور

علاج چل رہا ہے۔

یہ پہلی دفعہ ہے کہ آپ سے یا کسی سے معارف کی ورڈ میں تبدیلی کے بارے میں شکایت سنی بلکہ ایک ملاقات میں تو آپ نے ورڈ کی بڑی تعریف کی تھی۔صرف ایک صاحب نے، جو غالباً سرائے میر یا سنجر پور کے تھے، حروف (فانٹ) کے چھوٹے ہونے کا شکوہ کیا تھا جس کے بعد فانٹ کو ۱۴ سے ۱۵ کر دیا گیا تھا۔ ورڈ کے جو فائدے ہیں وہ ان پیج میں قطعاً نہیں ہیں لیکن اگر لوگوں کو یہی پسند ہے تو یہی صحیح۔ میں نے بھی ابھی چھپا ہوا پرچہ نہیں دیکھا ہے۔ پی ڈی ایف میں کافی کمیاں ہیں۔

(ظفرالاسلام)

محمد اجمل اصلاحی: جی ہاں، میں ورڈ کے حق میں تھا، مجھے توقع تھی کہ اس کی سیٹنگ درست ہو جائے گی، اسی بنا پر جو لوگ شاکی تھے ان سے کہتا تھا کہ انتظار کریں، مگر اس کی خرابیاں ویسی کی ویسی باقی رہیں۔ والد صاحب کی کتاب کا جو دوسرا اڈیشن آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا ویسی سیٹنگ ہو پائی ہوتی تو سب خوش ہوتے۔ مگر اس جیسا نمونہ دوسرا نظر نہیں آیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس پورے عرصے میں مجھے جو بھی ملا جوانوں میں بھی اور بوڑھوں میں بھی، شمال کا بھی اور جنوب کا بھی، اس نے معارف کی صورت سے بیزاری کا اظہار کیا۔ مگر میں نے یہی کہا کہ بہتر ہو جائے گی اور آنکھیں دھیرے دھیرے عادی ہو جائیں گی۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا۔

رسید کتب موصولہ

آگ سے بچھڑا دھواں (شعری مجموعہ): شکیل اعظمی، کتاب دار، ممبئی، صفحات: ۱۶۰، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۳۰۰روپے، موبائل: ۹۸۶۹۳۲۱۴۷۷

ایمانی کہانیاں: محمد عارف اصلاحی، البدر بک سینٹر، مہاجنی ٹولہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، صفحات: ۱۲۸، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۲۰۰روپے، موبائل: ۸۰۰۴۱۰۲۴۲۶

برادر شبلی مہدی حسن اوران کے مکاتیب لندن: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، نعیم بک سیلرز، مئو ناتھ بھنجن، صفحات: ۱۷۶، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۳۰۰روپے، موبائل: ۹۴۵۰۷۵۵۸۲۰

دراسات فی الأدب والأعلام: ڈاکٹر محمد راشد ندوی، (جمع وتقدیم): ڈاکٹر عرفات ظفر، براؤن بکس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، صفحات: ۲۸۸، سال اشاعت ۲۰۲۲ء، قیمت: ۵۰۰روپے، موبائل: ۹۴۵۱۳۹۲۶۲۶

دی گلوریس قرآن-The Glorious Quran(انگریزی ترجمہ قرآن پاک): ڈاکٹر ظفرالاسلام خان، فاروس میڈیا، نئی دہلی، صفحات: ۱۲۳۴، سال اشاعت ۲۰۲۳ء e-mail:info@pharosmedia.com

ردِ عقائد بدعیہ: مولانا نذیر احمد رحمانی اعظمیؒ، تکملہ: سعید عابدی، سید سعید احسن عابدی، الفاروق انٹر کالج، امونا، اٹوا، سدھارتھ نگر، یوپی، صفحات: ۴۴۰، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۶۴۰روپے، موبائل: ۹۸۶۰۰۴۰۰۹۸۶۰۳۷

شکیل اعظمی کا بنواس (معاصرین کی نظر میں): پروفیسر کوثر مظہری، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، صفحات: ۱۹۱، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۳۰۰روپے، موبائل: ۹۳۵۸۲۵۱۱۱۷

مصحفی کا دیوان ہشتم اور مثنوی بحرالمحبت: مرتب: پروفیسر نسیم احمد، فلاحی بک ڈپو، پیلی کوٹھی، وارانسی، صفحات: ۲۶۸، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۴۵۰روپے، موبائل: ۹۹۹۰۶۸۳۱۰۰

مولانا محمد طاہر القادری اور عرفان القرآن ایک تجزیاتی مطالعہ: ڈاکٹر اعجاز احمد، براؤن بکس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، صفحات: ۹۵، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۲۰۰روپے، موبائل: ۹۰۶۸۶۳۴۴۶۱۷

میرا سفرحج: ڈاکٹر محمد عارف عمری، جامعہ فیض عام، اودھ نگر، بوئیسر، ضلع پال گھر، مہاراشٹر، صفحات: ۶۴، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۱۰۰روپے، موبائل: ۸۰۸۷۱۷۵۱۸۵

وکیل احمد اعظمی، سعادت کی زندگی، شہادت کی موت: ڈاکٹر مرزا ندیم بیگ، البدر بک سینٹر، مہاجنی ٹولہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، صفحات: ۸۰، سال اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۱۰۰روپے، موبائل: ۹۸۳۹۵۹۱۴۳۴

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

اسمائے کتب	قیمت	اسمائے کتب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-	موازنہ انیس و دبیر	250/-
سیرۃ النبی (خاص ایڈیشن مکمل ۷ جلدیں)	2800/-	اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	125/-
مقدمہ سیرۃ النبی	30/-	سفرنامہ روم ومصر وشام	200/-
الفاروق	350/-	کلیات شبلی (اردو)	220/-
الغزالی	300/-	کلیات شبلی (فارسی)	--
المامون	175/-	مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
سیرۃ النعمان	400/-	مقالات شبلی دوم (ادبی)	70/-
سوانح مولانا روم	220/-	مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	170/-
شعر العجم اول	250/-	مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	200/-
شعر العجم دوم	150/-	مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	150/-
شعر العجم سوم	150/-	مقالات شبلی ششم (تاریخی)	150/-
شعر العجم چہارم	200/-	مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	100/-
شعر العجم پنجم	150/-	مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری)	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن)		انتخابات شبلی (سید سلیمان ندوی)	200/-
تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی	350/-	مکاتیب شبلی اول // //	--
خطبات شبلی	150/-	مکاتیب شبلی دوم // //	190/-
الکلام	350/-	اسلام اور مستشرقین چہارم	
علم الکلام	200/-	(علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

FEB 2022 Vol- 211(2) ISSN 0974-7346 Ma'arif(Urdu)-Print

RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP- 43/2023-25

Monthly Journal of

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)

Email: info@shibliacademy.org

#